رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۲

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کی حقانیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک دلیل

قرآن شریف نے بہت زور شور سے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اور حضرت سیدنا و مولینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے سچے نبی اور رسول ہیں جنپر وہ پاک کلام اُترا ہے۔ چنانچہ یہ دعوےٰ آیات مندرجہ ذیل میں بخوبی مصرح و مندرج ہے۔

(آل عمران ا و ۲) الٓمٓ۔ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی وہی اللہ ہے اُسکا کوئی ثانی نہیں اُسی سے ہر ایک کی زندگی اور بقا ہے اُسنے حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ تیرے پر کتاب اُتاری اور پھر فرمایا یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ (الجزو ۵ سورۃ النسا) یعنی اے لوگو حق اور ضرورت حقہ کیساتھ تمہارے پاس یہ نبی آیا۔ اور پھر فرمایا بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (الجزو ۵) یعنے ضرورت حقہ کے ساتھ ہمنے اس کلام کو اُتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ اُترا ہے۔ اور پھر فرمایا یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (الجزو ۶ سورۃ النسا) لوگو تمہارے پاس یہ یقینی برہان پہنچی ہے اور ایک کھلا نور تمہاری طرف ہمنے اُتارا ہے۔ اور پھر فرمایا قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الجزو ۹) یعنی لوگوں کو کہدے کہ میں تم سب کی طرف پیغمبر ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ (الجزو ۲۶) یعنے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور وُہی حق ہے خدا اُنکے گناہ دور کریگا اور اُنکے حال چال کو درست کر دیگا۔

ایسا سی صدہا آیات اور ہیں جنمیں نہایت صفائی سے یہ دعوٰی کیا گیا ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام اور حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اسکے سچے نبی ہیں۔ لیکن ہم بالفعل اسی قدر

لکھنا مناسب وکافی دیکھتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے مخالفوں کو یاد دلاتے ہیں کہ جس شد و مد سے
قرآن شریف میں یہ دعویٰ موجود ہے کسی اَور کتاب میں ہرگز موجود نہیں۔ ہم نہایت مشتاق ہیں اگر
آریہ اپنے ویدوں میں اتنا ہی ثابت کر دیں کہ انکے ہر چہار ویدوں نے کلام الٰہی ہونیکا دعویٰ کیا اور
بتصریح بتلایا کہ فلاں فلاں شخص پر فلاں فلاں زمانہ میں وہ اُترے ہیں کتاب اللہ کے ثبوت کیلئے پہلا ضروری
امر یہی ہے کہ وہ کتاب اپنے منجانب اللہ ہونیکی مُدعی بھی ہو کیونکہ جو کتاب اپنے منجانب اللہ ہونیکی طرف
آپ کوئی اشارہ نہیں کرتی اُسکو خداوند تعالیٰ کیطرف منسوب کرنا ایک مداخلت بیجا ہے۔

اب **دُوسرا امر** قابل تذکرہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس دعوے کو نہایت **مضبوط**
اور قوی دلیلوں کیساتھ ثابت بھی کر دیا ہے اور ہم انشاء اللہ تعالےٰ سلسلہ وار اُن تمام دلائل کو
لکھیں گے۔ اور انمیں سے پہلی دلیل ہم اسی مضمون میں تحریر کرتے ہیں تا حق کے طالب اوّل اسی دلیل میں
دوسری کتابوں کا قرآن کیساتھ مقابلہ کریں اور نیز ہم ہر ایک مخالف کو بھی بُلاتے ہیں کہ اگر یہ طریق ثبوت
جسکا ایک کتاب میں پایا جانا اُسکی سچائی پر بدیہی دلیل ہے انکی کتابوں اور نبیوں کی نسبت بھی پایا جاتا ہے
تو وہ ضرور اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے پیش کریں ورنہ اُنکو اقرار کرنا پڑیگا کہ انکی کتابیں اس اعلیٰ
درجہ کے ثبوت سے عاری اور بے نصیب ہیں اور ہم نہایت یقین اور وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ طریق ثبوت اُنکے
مذہب میں ہرگز نہیں پایا جاتا پس اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہماری غلطی ثابت کریں اور وہ پہلی دلیل جو قرآن شریف نے
اپنے منجانب اللہ ہونے پر پیش کی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ عقل سلیم ایک سچی کتاب اور ایک **سچے** اور
منجانب اللہ رسول کے ماننے کیلئے اس بات کو نہایت بزرگ دلیل ٹھہراتی ہے کہ انکا ظہور ایک ایسے
وقت میں ہو جبکہ زمانہ تاریکی میں پڑا ہوا ہو اور لوگوں نے توحید کی جگہ شرک اور پاکیزگی کی جگہ فسق اور انصاف
کی جگہ ظلم اور علم کی جگہ جہل اختیار کر لیا ہو اور **ایک مصلح** کی اشد ضرورت ہو اور پھر ایسے وقت میں وہ
رسُول دُنیا سے رخصت ہو جبکہ وہ اصلاح کا کام عمدہ طور سے کر چکا ہو اور جبتک اُس نے اصلاح نہ کی ہو
دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو اور نوکروں کیطرح حکم سے آیا ہو اور حکم سے واپس گیا ہو۔ غرضیکہ وہ
ایسے وقت میں ظاہر ہو جبکہ وہ وقت بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ایک آسمانی مصلح اور کتاب کا
آنا ضروری ہے اور ایسے وقت میں الہامی پیشگوئی کے ذریعہ سے واپس بلایا جاوے کہ جب اصلاح کے
پَودہ کو مستحکم کر چکا ہو اور ایک **عظیم الشان** انقلاب ظہور میں آچکا ہو اب ہم اسبات کو بڑے فخر کے ساتھ

بیان کرتے ہیں کہ یہ دلیل جسطرح قرآن اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت روشن چہرہ کیساتھ جلوہ نما ہوئی ہے کسی اور نبی اور کتاب کے حق میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوے تھا کہ میں تمام قوموں کیلئے آیا ہوں سو قرآن شریف نے تمام قوموں کو ملزم کیا ہے کہ وہ طرح طرح کے شرک فسق اور فجور میں مبتلا ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ظهر الفساد فی البرّ والبحر یعنے دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ اور فرماتا ہے لتکون للعٰلمین نذیرًا یعنی ہمنے تجھے بھیجا تاکہ دُنیا کی تمام قوموں کو ڈراوے یعنے اُنکو تنبیہ کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی بدکاریوں و بدعقیدوں کیوجہ سے سخت گنہگار ٹھہرے ہیں۔

یاد رہے کہ جو اِس آیت میں نذیر کا لفظ دُنیا کے تمام فرقوں کے مقابل پر استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے گنہگاروں اور بدکاروں کو ڈرانا ہے اِسی لفظ سے یقینی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ دعوے تھا کہ تمام دُنیا بگڑ گئی اور ہر ایک نے سچائی اور نیکبختی کا طریق چھوڑ دیا کیونکہ انذار کا محل فاسق اور مشرک اور بدکار ہی ہیں اور انذار اور ڈرانا مجرموں کی ہی تنبیہ کیلئے ہوتا ہے نہ نیکبختوں کیلئے۔ اِس بات کو ہر ایک جانتا ہے کہ ہمیشہ سرکشوں اور بے ایمانوں کو ہی ڈرایا جاتا ہے اور سُنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ نبی نیکوں کے لئے بشیر ہوتے ہیں اور بدوں کیلئے نذیر۔ پھر جبکہ ایک نبی تمام دُنیا کے لئے نذیر ہوا تو ماننا پڑا کہ تمام دنیا کو نبی کی وحی نے بداعمالیوں میں مبتلا قرار دیا ہے اور یہ ایک دعویٰ ہے کہ نہ توریت نے موسیٰؑ کی نسبت کیا اور نہ انجیل نے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت بلکہ صرف قرآن شریف نے کیا اور پھر فرمایا کنتم علٰی شفا حفرۃ من النّار یعنے تم اس نبی کے آنے سے پہلے دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی متنبہ کیا کہ تم نے اپنے دجل سے خدا کی کتابوں کو بدل دیا اور تم ہر ایک شرارت اور بدکاری میں تمام قوموں کے پیشرو ہو اور بُت پرستوں کو جا بجا ملزم کیا کہ تم پتھروں اور انسانوں اور ستاروں اور عناصر کی پرستش کرتے ہو اور خالق حقیقی کو بھول گئے ہو اور تم یتیموں کا مال کھاتے اور بچوں کو قتل کرتے اور شرکاء پر ظلم کرتے ہو اور ہر ایک بات میں حد اعتدال سے گذر گئے ہو اور فرمایا اِعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتها یعنے یہ بات تمہیں معلوم رہے کہ زمین سب کی سب مر گئی تھی اب اسکو خدا نئے سرے زندہ کرتا ہے غرض تمام دنیا کو قرآن نے شرک اور فسق اور بُت پرستی کے الزام سے ملزم کیا جو اُم الخبائث ہیں اور عیسائیوں اور یہودیوں کو دُنیا کی تمام بدکاریوں کی جڑھ ٹھہرایا۔ اور ہر ایک قسم کی بدکاریاں اُنکی بیان کردیں اور ایک ایسا نقشہ کھینچکر زمانہ موجودہ کا اعمالنامہ دکھلا دیا کہ جب سے دُنیا کی بنا پڑی ہے بجز نوحؑ کے زمانہ کے اور کوئی زمانہ اس زمانہ سے مشابہ نظر نہیں آتا

اور ہمنے اسجگہ جس قدر آیات لکھ دی ہیں وہ اتمام حجت کیلئے اول درجہ پر کام دیتی ہیں۔ لہذا ہم نے طول کے خوف سے تمام آیات کو نہیں لکھا۔ ناظرین کو چاہئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس شد و مد سے اور کسقدر مؤثر کلام سے جا بجا قرآن شریف بیان کر رہا ہے کہ تمام دُنیا بگڑ گئی۔ تمام دُنیا مر گئی۔ اور لوگ دوزخ کے گڑھے کے قریب پہنچگئے اور کیسے بار بار کہتا ہے کہ تمام کو ڈرا کہ وہ خطرناک حالت میں پڑے ہیں۔ یقیناً قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک اور فسق اور بُت پرستی اور طرح طرح کے گناہوں میں سڑ گئے اور بدکاریوں کے عمیق کوئیں میں ڈوب گئے ہیں۔ یہ بات سچ ہے کہ انجیل میں بھی کسیقدر یہودیوں کی بدچلنیوں کا ذکر ہے۔ لیکن مسیحؑ نے کہیں یہ ذکر تو نہیں کیا کہ جس قدر دُنیا کے صفحہ میں لوگ موجود ہیں جنکو عالمین کے نام سے نامزد کر سکتے ہیں وہ سب بگڑ گئے اور مر گئے اور دُنیا شرک اور بدکاریوں سے بھر گئی اور نہ رسالت کا عام دعویٰ کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہودی ایک تھوڑی سی قوم تھی جو مسیح کی مخاطب تھی بلکہ وہی تھے جو مسیح کی نظر کے سامنے تھے اور چند دیہات کے آدمی تھے لیکن قرآن کریم نے تو تمام زمین کے مرجانیکا ذکر کیا ہے اور تمام قوموں کی بُری حالت کو وہ بتلاتا ہے اور صاف بتلاتا ہے کہ زمین ہر قسم کے گناہ سے مر گئی۔ یہودی تو نبیوں کی اولاد تھے اور توریت کو اپنے اقرار سے مانتے تھے گو عمل سے قاصر تھے لیکن قرآن کے زمانہ میں علاوہ فسق اور فجور کے عقائد میں بھی فتور ہو گیا تھا۔ ہزار ہا لوگ دہریہ تھے۔ ہزار ہا وحی اور الہام سے منکر تھے اور ہر قسم کی بدکاریاں زمین پر پھیلگئی تھیں اور دُنیا میں اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ایک طوفان برپا تھا۔ ماسوائے اسکے مسیح نے اپنی چھوٹی سی قوم یہودیوں کی بدچلنی کا کچھ ذکر تو کیا جس سے البتہ یہ خیال پیدا ہوا کہ اُسوقت یہود کی ایک خاص قوم کو ایک مصلح کی ضرورت تھی مگر جس دلیل کو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونیکے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فساد عام کے وقت میں آنا اور کامل اصلاح کے بعد واپس بُلائے جانا اور ان دونوں پہلوؤں کا قرآن شریف کا آپ پیش کرنا اور آپ دُنیا کو اسکی طرف توجہ دلانا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انجیل تو کیا بجز قرآن شریف کسی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف نے آپ یہ دلائل پیش کئے ہیں اور آپ فرمادیا ہے کہ اسکی سچائی ان دو پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتی ہے یعنی ایک تو وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ظہور فرمایا جبکہ زمانہ میں عام طور پر طرح طرح کی بدکاریاں اور بداعتقادیاں پھیلگئی تھیں اور دُنیا حق اور حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے بہت دُور جا پڑی تھی اور قرآن شریف کے اِس قول کی اُسوقت

تصدیق ہوتی ہے جبکہ ہر ایک قوم کی تاریخ اس زمانہ کے متعلق پڑھی جائے کیونکہ ہر ایک قوم کے اقرار سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ درحقیقت وہ ایسا پُرظلمت زمانہ تھا کہ ہر ایک قوم مخلوق پرستی کیطرف جھک گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نے تمام قوموں کو گمراہ اور بدکار قرار دیا تو کوئی اپنا بری ہونا ثابت نہ کرسکا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کیسے ورسے اہل کتاب کی بدیوں اور تمام دُنیا کے مرجانیکا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتب من قبل فطال علیہم الامد فقست قلوبہم و کثیر منہم فاسقون۔ اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا قد بینا لکم الآیات لعلکم تعقلون (سورہ الحدید جزو ۲۷ رکوع ۱۷) یعنے مومنوں کو چاہئے کہ اہل کتاب کے چال وچلن سے پرہیز کریں۔ انکو اس سے پہلے کتاب دیگئی تھی پس اُنپر ایک زمانہ گذر گیا سو اُن کے دل سخت ہو گئے۔ اور اکثر اُنمیں سے فاسق اور بدکار ہی ہیں۔ یہ بات بھی جانو کہ زمین مرگئی تھی اور اب خدا نئے سرے سے زمین کو زندہ کر رہا ہے یہ **قرآن کی ضرورت اور سچائی کے نشان ہیں** جو اسی لئے بیان کئے گئے تاکہ تم نشانوں کو دریافت کرلو۔

اب سوچکر دیکھو کہ یہ دلیل جو تمہارے سامنے پیش کیگئی ہے یہ اپنے ذہن سے ایجاد نہیں کی بلکہ قرآن شریف آپ ہی اسکو پیش کرتا ہے اور دلیل کے دونوں حصے بیان کرکے پھر آپ ہی فرماتا ہے قد بینا لکم الآیات لعلکم تعقلون یعنے اس رسول اور اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر یہ بھی ایک نشان ہے جسکو ہمنے بیان کردیا تاکہ تم سوچو اور حقیقت تک پہنچ جاؤ۔

دُوسرا پہلو اس دلیل کا یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے وقت میں دُنیا سے اپنے مولیٰ کی طرف بُلائے گئے جبکہ وُہ اپنے کام کو پُورے طور پر انجام دے چکے اور یہ امر قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔ یعنے آج میں نے قرآن شریف کے اُتارنے اور تکمیل نفوس سے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کردیا اور اپنی نعمت تمپر پُوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کرلیا۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جسقدر نازل ہونا تھا نازل ہوچکا اور مستعد دلوں میں نہائت عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرچکا اور تربیت کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنی نعمت کو اُنپر پُورا کردیا۔ اور یہی دو رکن ضروری ہیں جو ایک نبی کے آنے کی علت غائی ہوتی ہے اب دیکھو یہ آیت

کس زور شور سے بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہرگز اس دنیا سے کوچ نہ کیا جبتک کہ دین اسلام کو تنزیل قرآن اور تکمیل نفوس سے کامل نہ کیا گیا٭ - اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ ہونیکی ہے جو کاذب کو ہرگز نہیں دیجاتی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی صادق نبی نے بھی اس اعلےٰ شان کے کمال کا نمونہ نہیں دکھلایا کہ ایکطرف کتاب اللہ بھی آرام اور امن کیساتھ پوری ہو جائے اور دوسری طرف تکمیل نفوس بھی ہو اور بااین ہمہ کفر کو ہر ایک پہلو سے شکست اور اسلام کو ہر ایک پہلو سے فتح ہو - اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ٭٭ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا یعنے جبکہ آنیوالی مدد اور فتح آگئی جسکا وعدہ دیا گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں پس خدا کی حمد اور تسبیح کر یعنے یہ کہو کہ جو ہوا وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُسکے فضل اور کرم اور تائید سے ہے اور الوداعی استغفار کر کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ بہت ہی رجوع کرنیوالا ہے - استغفار کی تعلیم جو نبیوں کو دیجاتی ہے اُسکو عام لوگوں کے گناہ میں داخل کرنا عین حماقت ہے بلکہ دُوسرے لفظوں میں اپنی نیستی اور تذلل اور کمزوری کا اقرار اور مدد طلب کرنیکا متواضعانہ طریق ہے - چونکہ اس صورت میں فرمایا گیا ہے کہ جس کام کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ پورا ہو گیا یعنی یہ کہ ہزارہا لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا - اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک برس کے اندر فوت ہو گئے۔

٭ حاشیہ - خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کو مخاطب کیا کہ مَیںنے تمہارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کی اور آیت کو اسطور سے نہ فرمایا کہ اے نبی آج مَیںنے قرآن کو کامل کر دیا اسمیں حکمت یہ ہے کہ تا ظاہر ہو کہ صرف قرآن شریف کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ اُنکی تکمیل ہو گئی کہ جنکو قرآن پہنچایا گیا اور رسالت کی علت غائی کمال تک پہنچ گئی - منہ

٭٭ حاشیہ - اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہایت درجہ کا یہ جوش تھا کہ مَیں اپنی زندگی میں اسلام کا زمین پر پھیلنا دیکھلوں اور یہ بات بہت ہی ناگوار تھی کہ حق کو زمین پر قائم کرنیسے پہلے سفر آخرت پیش آوے سو خدا تعالےٰ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دیتا ہے کہ دیکھ مَیںنے تیری مُراد پوری کر دی اور کم و بیش اس مُراد کا ہر ایک نبی کو خیال تھا مگر چونکہ اسقدر جوش نہیں تھا اسلئے نہ مسیح کو اور نہ موسیٰ کو یہ خوشخبری ملی بلکہ اُسی کو ملی جسکے حق میں قرآن میں فرمایا لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین یعنی کیا تو اِس غم سے ہلاک ہو جاویگا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے - منہ

پھر ہم اپنے پہلے مقصد کیطرف عود کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ اور قرآن کریم کی حقانیت پر اس دلیل سے نہایت اعلیٰ واجلی ثبوت پیدا ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت میں دنیا میں بھیجے گئے کہ جب دنیا زبان حال سے ایک عظیم الشان مصلح کو مانگ رہی تھی اور پھر مرے اور مارے گئے جبتک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کر دیا۔ جب نبوت کے ساتھ ظہور فرما ہوئے تو آتے ہی اپنی ضرورت دنیا پر ثابت کر دی۔ اور ہر یک قوم کو اُنکے شرک اور ناراستی اور مفسدانہ حرکات کا ملزم کیا جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا ہوا ہے مثلاً اسی آیت کو سوچکر دیکھو جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تبارك الذی نزّل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرًا۔ یعنے وہ بہت برکت والا ہے جس نے قرآن شریف کو اپنے بندے پر اس غرض سے اُتارا کہ تمام جہان کو ڈرانے والا ہو یعنی تا ان کی بدراہی اور بدعقیدگی پر انکو متنبہ کرے۔ پس یہ آیت بصراحت اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن کا یہی دعوےٰ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تشریف لائے تھے جبکہ تمام دنیا اور تمام قومیں بگڑ چکی تھیں اور مخالف قوموں نے اس دعویٰ کو نہ صرف اپنی خاموشی سے بلکہ اپنے اقرار و دل سے مان لیا ہے پس اس سے بداہت نتیجہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت ایسے وقت میں آئے تھے جس وقت میں ایک سچے اور کامل نبی کو آنا چاہئے۔ پھر جب ہم دوسرا پہلو دیکھتے ہیں کہ آنجناب صلعم کس وقت واپس بلائے گئے تو قرآن صاف اور صریح طور پر ہمیں خبر دیتا ہے کہ ایسے وقت میں بلانیکا حکم ہوا کہ جب اپنا کام پورا کر چکے تھے یعنے اُسوقت کے بعد بلائے گئے جبکہ یہ آیت نازل ہو چکی کہ مسلمانوں کے لئے تعلیم کا مجموعہ کامل ہو گیا اور جو کچھ ضروریات دین میں نازل ہونا تھا وہ سب نازل ہو چکا اور نہ صرف یہی بلکہ یہ خبر بھی دیگئی کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں بھی کمال کو پہنچ گئیں۔ اور جوق درجوق لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ آیتیں بھی نازل ہو گئیں کہ خدا تعالےٰ نے ایمان اور تقویٰ کو اُنکے دلوں میں کھدیا اور فسق و فجور سے اُنہیں بیزار کر دیا اور پاک اور نیک اخلاق سے وہ متصف ہو گئے اور ایک بھاری تبدیلی اُنکے اخلاق اور چلن اور روح میں واقع ہو گئی۔ تب ان تمام باتوں کے بعد سورۃ النصر نازل ہوئی جسکا ماحصل یہی ہے کہ نبوت کے تمام اغراض پورے ہو گئے اور اسلام دلوں پر فتحیاب ہو گیا تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اعلان دیا کہ یہ سورۃ میری وفات کی طرف اشارت کرتی ہے بلکہ اسکے بعد حج کیا اور اسکا نام حجۃ الوداع رکھا اور ہزارہا لوگوں کی حاضری میں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر ایک لمبی تقریر کی اور کہا کہ سنو! اے خدا کے بندو! مجھے میرے رب کیطرف سے حکم ملے تھے

کہ تا میں سب احکام تمہیں پہنچاؤں۔ پس کیا تم گواہی دے سکتے ہو کہ یہ سب باتیں میں تمہیں پہنچا دیں۔ تب ساری قوم نے باآواز بلند تصدیق کی کہ ہم تک یہ پیغام پہنچائے گئے۔ تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ آسمان کیطرف اشارہ کر کے کہا کہ اے خدا! ان باتوں کا گواہ رہ۔ اور پھر فرمایا کہ تمام تبلیغ اسلئے مکرر کیگئی کہ شائد آئندہ سال میں تمہارے ساتھ نہیں ہونگا۔ اور پھر دوسری مرتبہ تم مجھے اس جگہ نہیں پاؤ گے۔ تب مدینہ میں جاکر دوسرے سال میں فوت ہو گئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ درحقیقت یہ تمام اشارات قرآن شریف سے ہی مستنبط ہوتے ہیں جسکی تصدیق اسلام کی متفق علیہ تاریخ سے بتفصیل تمام ہوتی ہے۔

حضرت مسیحؑ کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کیطرف جانا

(انجیلی شہادتیں نمبر۲)

گزشتہ نمبر میں اس عنوان کے نیچے انجیل کے مختلف حوالوں سے ہمنے یہ دکھایا تھا کہ مسیحؑ کی رسالت صرف انہیں یہودیوں تک محدود نہیں تھی جو شام کے ملک میں رہتے تھے بلکہ وہ بنی اسرائیل کے تمام فرقوں کی طرف آئے تھے جنہیں سے اکثر انکی آمد سے بہت عرصہ پہلے مشرقی ممالک میں آباد ہو چکے تھے۔ نیز انجیل کی بناء پر ہمنے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ مسیحؑ کا سولی پر مرنا انجیلوں سے ثابت نہیں ہوتا اس نمبر میں ہم مزید شہادت اس امر کی کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہؤا انجیل کے اوراق سے پیش کرینگے۔

مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانیکا واقعہ جسطرح اناجیل میں مذکور ہے اس امر پر ایک بھاری دلیل ہے کہ واقعی وہ صلیب پر نہیں مرا۔ اور ابتدا سے ہی تمام سمجھدار لوگوں کے دل میں مسیح کی صلیب پر موت کے متعلق شبہات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ جس طرح پر صلیب کا واقعہ اناجیل میں مذکور ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ تاریخ کے اوراق میں جہانتک ممکن ہو تلاش کرو مگر یہ کہیں نہ پاؤ گے کہ کوئی شخص تین گھنٹے میں صلیب پر مر گیا ہو۔ اسی مشکل کے پیش آنے پر ابتدائی زمانہ میں اس خیال کے پیرؤوں کو کہ مسیح صلیب پر مر چکا تھا یہ عذر بنانا پڑا

کہ درحقیقت اسقدر جلدی مرجانا بھی ایک معجزہ ہے۔ اور اگرچہ اس قدر جلدی صلیب پر کوئی انسان مر سکتا تھا مگر وہ اپنے اختیار سے مرا اور یہ اسکا معجزہ تھا۔ گمراہی بھی عجیب شے ہے ایک غلطی کی تائید کیلئے ایک دوسری غلطی بنانی پڑتی ہے مگر اصلیت کے پیش ہوتے پر اسکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ مسیح کا تین گھنٹہ صلیب پر رہ کر نہ مرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہت ساری مثالیں اس قسم کی موجود بلکہ مشہور ہیں جنمیں ایک شخص اس سے بہت زیادہ عرصہ تک صلیب پر رکھ کر اُتارا گیا اور علاج سے آخرکار اچھا ہو گیا۔

ناظرین کو اس دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ یہودیوں کی صلیب اس زمانہ کی پھانسی کیطرح ہو گی جس سے نجات پانا قریباً محال ہے۔ کیونکہ اُس زمانہ کی صلیب میں کوئی رسّا گلے میں نہیں ڈالا جاتا تھا اور نہ تختہ پر سے گرا کر لٹکایا جاتا تھا بلکہ صرف صلیب پر کھینچکر ہاتھوں اور پیروں میں کیل ٹھونکے جاتے تھے اور یہ بات ممکن ہوتی تھی کہ اگر صلیب پر کھینچنے اور کیل ٹھونکنے کے بعد ایک دو دن تک کسی کی جان بخشی کا ارادہ ہو تو اُسیقدر عذاب پر کفایت کر کے ہڈیاں توڑنے سے پہلے اُسکو زندہ اُتار لیا جائے۔ اور اگر مارنا ہی منظور ہوتا تھا تو کم سے کم تین دن تک صلیب پر کھینچا ہوا رہنے دیتے تھے اور پانی اور روٹی نزدیک نہ آنے دیتے تھے اور اسی طرح دھوپ میں تین دن یا اس سے زیادہ چھوڑ دیتے تھے اور پھر اسکے بعد اسکی ہڈیاں توڑتے تھے اور پھر آخر ان تمام عذابوں کے بعد وہ مرجاتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے حضرت مسیحؑ کو اس درجہ کے عذاب سے بچا لیا جس سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا۔ انجیلوں کو ذرا غور کی نظر سے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ تین دن تک صلیب پر رہے اور نہ تین دن کی بھوک اور پیاس اُٹھائی اور نہ انکی ہڈیاں توڑی گئیں بلکہ قریباً دو گھنٹہ صلیب پر رہے اور خدا کے رحم اور فضل نے انکے لئے یہ تقریب قائم کر دی کہ دن کے اخیر حصہ میں صلیب دینے کی تجویز ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا اور صرف تھوڑا سا دن باقی تھا اور اگلے دن سبت اور یہودیوں کی عید فسح تھی اور یہودیوں کیلئے یہ حرام اور قابل سزا جرم تھا کہ کسی کو سبت یا سبت کی رات میں صلیب پر رہنے دیں اور مسلمانوں کیطرح یہودی بھی قمری حساب رکھتے تھے اور رات دن پر مقدم سمجھی جاتی تھی پس ایکطرف تو یہ تقریب تھی کہ جو زمینی اسباب سے پیدا ہوئی۔ اور دوسری طرف آسمانی اسباب خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ پیدا ہوئے کہ جب چھٹا گھنٹہ ہوا تو ایک ایسی آندھی آئی کہ جس سے ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور وہ اندھیرا تین گھنٹے برابر رہا۔ دیکھو مرقس باب ۱۶ آیت ۳۳۔ یہ چھٹا گھنٹہ بارہ بجے کے بعد تھا

یعنے وہ وقت جو شام کے قریب ہوتا ہے - اب یہودیوں کو اس شدت اندھیرے میں یہ فکر پڑی کہ مُبادا سبت کی رات آجائے اور وہ سبت کے مجرم ہو کر تاوان کے لائق ٹھہریں - اسلئے انہوں نے جلدی سے مسیح کو اور اُسکے ساتھ کے دو چوروں کو بھی صلیب پر سے اُتار لیا۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمیں مسیح ابن مریم کی صلیبی موت سے محفوظ رہنے پر ملتی ہیں اسکا وہ سفر دُور دراز ہے جو قبر سے نکل کر جلیل کیطرف اُسنے کیا - چنانچہ اتوار کی صبح کو پہلے وہ مریم مگدلینی سے ملا - مریم نے فی الفور حواریوں کو خبر کی کہ مسیح تو جیتا ہے لیکن وہ یقین نہ لائے پھر وہ حواریوں میں سے دو کو جبکہ وہ دیہات کیطرف جاتے تھے دکھائی دیا - آخر وہ گیارھوں کو جبکہ وہ کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا اور اُنکی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی - دیکھو انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۹ سے آیت ۱۴ تک - اور جب مسیح کے حواری سفر کرتے ہوئے اُس بستی کی طرف جا رہے تھے جسکا نام املوس ہے جو یروشلم سے پونے چار کوس کے فاصلے پر ہے تب مسیح اُن کو ملا - اور جب وہ اس بستی کے نزدیک پہنچے تو مسیح نے آگے بڑھ کر چاہا کہ اُنسے الگ ہو جائے - تب اُنہوں نے اُسکو جانے سے روک لیا کہ آج رات ہم اکٹھے رہینگے اور اُس نے اُنکے ساتھ بیٹھ کر روٹی کھائی اور وہ سب مع مسیح کے املوس نام کے ایک گاؤں میں رات رہے - دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۱۳ سے ۳۱ تک - اب ظاہر ہے کہ ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیح سے فانی جسم کے عادات صادر ہونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریباً ۷۰ کوس کے فاصلے پر تھا بالکل غیر ممکن اور نا معقول بات ہے - اور باوجود اسکے کہ خیالات کے میلان کی وجہ سے انجیلوں کے اِن قصوں میں بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے تاہم جسقدر الفاظ پائے جاتے ہیں اُنسے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اُسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو ملا اور پیادہ پا جلیل کیطرف ایک لمبا سفر کیا اور حواریوں کو اپنے زخم دکھلائے اور رات اُنکے پاس روٹی کھائی اور سویا - اور آگے چلکر ہم ثابت کرینگے کہ اُسنے اپنے زخموں کا ایک مرہم کے استعمال سے علاج کیا۔

اب یہ مقام ایک سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ایک جلالی اور ابدی جسم پانیکے بعد یعنے اُس غیر فانی جسم کے بعد جو اس لائق تھا کہ کھانے پینے سے پاک ہو کر ہمیشہ خدا تعالےٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھے اور ہر ایک داغ اور درد اور نقصان سے منزہ ہو اور ازلی ابدی خدا کے جلال کا اپنے اندر رنگ رکھتا ہو ابھی اِسمیں یہ نقص باقی رہگیا کہ اُسپر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے

جنسے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اسکے ساتھ تھی جسکے واسطے ایک مرہم بھی طیار کیگئی تھی اور جلالی اور غیر فانی جسم کے بعد بھی جو ابدتک سلامت اور بے عیب اور کامل اور غیر متغیر چاہئے تھا کئی قسم کے نقصانوں سے بھرا رہا اور خود مسیح نے حواریوں کو اپنا گوشت اور ہڈیاں دکھلائیں اور پھر اسی پر کفایت نہیں بلکہ اس فانی جسم کے لوازم میں سے بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی ورنہ اس لغو حرکت کی کیا ضرورت تھی کہ مسیح جلیل کے سفر میں کھانا کھاتا اور پانی پیتا اور آرام کرتا اور سوتا۔ اسمیں کیا شک ہے کہ اس عالم میں جسم فانی کے لئے بھوک اور پیاس بھی ایک درد ہے جسکے حد سے زیادہ ہونے سے انسان مرسکتا ہے۔ پس بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور نہ کوئی نیا جلالی جسم پایا بلکہ ایک غشی کی حالت ہوگئی تھی جو مرنے سے مشابہ تھی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ اتفاق ہوا کہ جس قبر میں وہ رکھا گیا وہ اس ملک کی قبروں کیطرح نہ تھی بلکہ ایک ہوادار کوٹھا تھا جسمیں ایک کھڑکی تھی اور اس زمانہ میں یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ قبر کو ایک ہوادار کشادہ کوٹھا کیطرح بناتے تھے اور اسمیں ایک کھڑکی رکھتے تھے اور ایسی قبریں پہلے سے موجود رہتی تھیں اور پھر وقت پر میت اسمیں رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ گواہی انجیلوں سے صاف طور پر ملتی ہے۔ انجیل لوقا میں یہ عبارت ہے "اور وے یعنے عورتیں اتوار کے دن بڑے تڑکے یعنے کچھ اندھیرے سے ہی اُن خوشبوؤں کو جو طیار کی تھیں لیکر قبر پر آئیں اور اُنکے ساتھ کئی اور بھی عورتیں تھیں۔ اور اُنہوں نے پتھر کو قبر پر سے ڈھلکا ہوا پایا۔ (اس مقام میں غور کرو) اور اندر جاکے خداوند یسوع کی لاش نہ پائی" دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۱و۲و۳۔ اب اندر جانے کے لفظ کو ذرا سوچو۔ ظاہر ہے کہ اُسی قبر کے اندر انسان جاسکتا ہے کہ جو ایک کوٹھے کی طرح ہو اور اسمیں کھڑکی ہو۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمکو ملی ہیں پلاطس کا وہ قول ہے جو انجیل مرقس میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے "اور جبکہ شام ہوئی اسلئے کہ تیاری کا دن تھا جو سبت سے پہلے ہوتا۔ یوسف ارمتیا جو نامور مشیر اور وہ خود خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا آیا اور دلیری سے پلاطس پاس جاکے یسوع کی لاش مانگی اور پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ یعنے مسیح ایسا جلد مرگیا" دیکھو مرقس باب ۱۵ آیت ۴۲ سے ۴۴ تک۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عین صلیب کی گھڑی میں ہی یسوع کے مرنے پر شبہ ہوا۔ اور شبہ بھی ایسے شخص نے کیا جسکو

اِس بات کا تجربہ تھا کہ اِس قدر مدت میں صلیب پر جان نکلتی ہے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہمکو ملی ہیں انجیل کی وُہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں۔ "پھر یہودیوں نے اُس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دِن صلیب پر نہ رہجائیں - کیونکہ وہ دِن طیاری کا تھا - بلکہ بڑا ہی سبت تھا پلاطوس سے عرض کی کہ اُنکی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اُتاری جائیں - تب سپاہیوں نے آکر پہلے اور دُوسرے کی ٹانگیں جو اُسکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے توڑیں لیکن جب اُنہوں نے یسُوع کی طرف آکے دیکھا کہ وُہ مرچکا ہے تو اسکی ٹانگیں نہ توڑیں - پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اسکی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے لہُو اور پانی نکلا" دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۱ سے آیت ۳۴ تک - اِن آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت کسی مصلوب کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے یہ دستُور تھا کہ جو صلیب پر کھینچا گیا ہو اُسکو کئی دِن صلیب پر رکھتے تھے اور پھر اُسکی ہڈیاں توڑتے تھے لیکن مسیح کی ہڈیاں دانستہ نہیں توڑی گئیں اور وہ ضرور صلیب پر سے ان دو چوروں کی طرح زندہ اُتارا گیا - اِسی وجہ سے پسلی چھیدنے سے خُون بھی نکلا - مُردہ کا خُون جم جاتا ہے - اور اِس جگہ یہ بھی صریح معلوم ہوتا ہے کہ اندرُونی طور پر یہ کچھ سازش کی بات تھی - پلاطوس ایک خُدا ترس اور نیکدِل آدمی تھا - کھُلی کھُلی رعایت سے قیصر سے ڈرتا تھا کیونکہ یہودی مسیح کو باغی ٹھہراتے تھے مگر وُہ خُوش قسمت تھا کہ اُس نے مسیح کو دیکھا لیکن قیصر نے اِس نعمت کو نہ پایا اُسنے نہ صرف دیکھا بلکہ بہُت رعایت کی اور اُسکا ہرگز منشاء نہ تھا کہ مسیح صلیب پاوے - چُنانچہ انجیلوں کے دیکھنے سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ پلاطوس نے کئی دفعہ ارادہ کیا کہ مسیح کو چھوڑ دے لیکن یہودیوں نے کہا کہ اگر تو اِس مرد کو چھوڑ دیتا ہے تو تُو قیصر کا خیر خواہ نہیں اور یہ کہا کہ یہ باغی ہے اور خُود بادشاہ بننا چاہتا ہے - دیکھو یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۲ - اور پلاطوس کی بیوی کی خواب اَور بھی اِس بات کی محرک ہوئی تھی کہ کسی طرح مسیح کو مصلوب ہونے سے بچایا جائے ورنہ اِن کی اپنی تباہی ہے - مگر چونکہ یہودی ایک شریر قوم تھی اور پلاطوس پر قیصر کے حضور میں مُخبری کرنے کو بھی طیار رہتے تھے اِسلئے پلاطوس نے مسیح کو چھوڑانے میں حکمت عملی سے کام لیا - اول تو مسیح کا مصلوب ہونا ایسے دِن پر ڈالدیا کہ وہ جمعہ کا دِن تھا اور صرف چند گھنٹے دِن سے باقی تھے اور بڑے سبت کی رات قریب تھی اور پلاطوس خوب جانتا تھا کہ یہودی اپنی شریعت کے حکموں کے موافق صرف شام کے وقت

تک ہی مسیح کو صلیب پر رکھ سکتے ہیں۔ اور پھر شام ہوتے ہی انکا سبت ہے جسمیں صلیب پر رکھنا روا نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور مسیح شام سے پہلے صلیب پر سے اُتارا گیا۔ اور یہ قریب قیاس نہیں کہ دونوں چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ رہے۔ مگر مسیح صرف دو گھنٹہ تک مرگیا۔ بلکہ یہ صرف ایک بہانہ تھا جو مسیح کو ہڈیاں توڑنے سے بچانے کیلئے بنایا گیا تھا سمجھدار آدمی کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ دونوں چور صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے اور ہمیشہ معمول تھا کہ صلیب پر سے لوگ زندہ اُتارے جاتے تھے اور صرف اس حالت میں مرتے تھے کہ ہڈیاں توڑی جائیں اور یا بھوک اور پیاس کی حالت میں چند روز صلیب پر رہ کر جان نکلتی تھی۔ مگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی مسیح کو پیش نہ آئی نہ وہ کئی دن صلیب پر بھوکا پیاسا رکھا گیا اور نہ اسکی ہڈیاں توڑی گئیں اور یہ کہکر کہ مسیح مرچکا ہے یہودیوں کو اسکی طرف سے غافل کر دیا گیا۔ مگر چوروں کی ہڈیاں توڑکر اُسی وقت اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بات تو تب تھی کہ اُن دونو چوروں میں سے بھی کسی کی نسبت کہا جاتا کہ یہ مرچکا ہے اسکی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہیں اور یوسف نام پلاطوس کا ایک معزز دوست تھا جو اس نواح کا رئیس تھا۔ اور مسیح کے پوشیدہ شاگردوں میں داخل تھا وہ عین وقت پر پہنچ گیا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی پلاطوس کے اشارہ سے بلایا گیا تھا مسیح کو ایک لاش قرار دیکر اُسکے سپرد کر دیا گیا کیونکہ وہ ایک بڑا آدمی تھا اور یہودی اسکے ساتھ کچھ پرخاش نہیں کر سکتے تھے۔ جب وہ پہنچا تو مسیح کو جو غشی میں تھا ایک لاش قرار دیکر اُسنے لیا اور اسی جگہ ایک وسیع مکان تھا جو اُس زمانہ کی رسم پر قبر کے طور پر بنایا گیا تھا اور اس میں ایک کھڑکی بھی تھی اور ایسے موقعہ پر تھا جو یہودیوں کے تعلق سے الگ تھا اسی جگہ پلاطوس کے اشارہ سے مسیح کو رکھا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ حضرت موسیٰؑ کی وفات پر چودھویں صدی گذر رہی تھی اور اسرائیلی شریعت کے زندہ کرنے کے لئے مسیح چودھویں صدی کا مجدد تھا۔ اور اگرچہ یہودیوں کو اِس چودھویں صدی میں مسیح موعود کا انتظار بھی تھا اور گزشتہ نبیوں کی پیشگوئیاں بھی اسوقت پر گواہی دیتی تھیں لیکن افسوس کہ یہودیوں کے نالائق مولویوں نے اسوقت اور موسم کو شناخت نہ کیا اور مسیح موعود کو جھوٹا قرار دیدیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اُسکو کافر قرار دیا اور اُسکا نام ملحد رکھا اور آخر اسکے قتل پر فتویٰ لکھا اور اسکو عدالت میں کھینچا۔ اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ خدا نے چودھویں

صدی میں کچھ تاثیر ہی ایسی رکھتی ہے جسمیں قوم کے دل سخت اور مولوی دُنیا پرست اور اندھے حق کے دشمن ہوجاتے ہیں۔ اسجگہ اگر موسیٰ کی چودھویں صدی اور موسیٰ کے مثیل کی چودھویں صدی کا جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں باہم مقابلہ کیا جائے تو اول یہ نظر آئیگا کہ ان دونوں چودھویں صدیوں میں دو ایسے شخص ہیں جنہوں نے مسیح موعود ہونیکا دعوی کیا اور وہ دعوے سچا تھا اور خدا کیطرف سے تھا۔ پھر اُسکے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگا کہ قوم کے علماء نے اُن دونوں کو کافر قرار دیا اور ان دونوں کا نام ملحد اور دجّال رکھا اور ان دونوں کے قتل کے فتوے لکھے گئے اور دونوں کو عدالتوں کیطرف کھینچا گیا جنمیں سے ایک رُومی عدالت تھی اور دوسری انگریزی۔ آخر دونوں سچا ٹھے گئے اور دونوں قسم کے مولوی یہودی اور مسلمان ناکام رہے۔ اور خدا نے ارادہ کیا کہ دونوں مسیحوں کو ایک بڑی جماعت بنادے اور دونوں قسم کے دشمنوں کو نامُراد رکھے۔ غرض موسیٰ کی چودھویں صدی اور ہمارے سید و مولے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی چودھویں صدی اپنے اپنے مسیحوں کیلئے سخت بھی ہیں اور انجام کار مُبارک بھی۔

وہ قبر جس میں مسیح رکھا گیا اور جس طرح پر وہ وہاں رکھا گیا اور جس طرح سے وہاں سے نکلا یہ تمام امور اِس بیان کے مؤید ہیں کہ وہ اسوقت تک مرا نہیں بلکہ وہ زندہ ہی تھا اور زندہ ہونیکی حالتمیں ہی قبر میں رکھا گیا۔ متی باب ۲۷ آیت ۶۰ میں لکھا ہے کہ قبر کے دروازہ کے آگے ایک بڑا پتھر رکھ دیا گیا۔ پھر لوقا باب ۲۴ آیت اوّل و ۲ میں لکھا ہے کہ اتوار کے دِن سویرے ہی کئی عورتیں خوشبوئیں وغیرہ لیکر قبر پر آئیں اور اُنہوں نے پتھر کو ہٹا ہُوا پایا اور پھر وہ اندر بھی گئیں تو مسیح وہاں نہ تھا۔ اِن بیانوں سے اول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کو عام لاشوں کیطرح مٹی میں نہیں دبایا گیا صرف ایک بڑے کوٹھے میں رکھ کر دروازے کے آگے ایک پتھر دیدیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے عمداً سوراخ رکھے گئے اور مُنہ کو بالکل بند نہیں کیا گیا۔ عورتوں کے قبر کے اندر چلے جانے سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ جگہ قبر کیطرح ایک لاش کے دفن کرنیکی جگہ نہ تھی بلکہ ایک وسیع کوٹھے کیطرح تھی جسمیں پانچ سات اشخاص ایک ہی وقت جا سکتے تھے اور اسکا ایک دروازہ بھی تھا جو صرف عارضی طور پر بند کیا گیا تھا تا آمد و رفت ہوسکے۔ عورتوں کے تیسرے روز مصالحہ اور مرہمیں لیکر آنا بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ وہ مسیح کو زندہ سمجھتی تھیں ورنہ مصالحہ اور خوشبوئیں لاش کے پاس لیکر آنیکے کیا معنے اور وہ بھی تیسرے دِن جب لاش سڑ گل چکی ہو اور اُسکے پاس انسان آ بھی نہ سکتا ہو۔ پھر یہ امر قابل غور ہے کہ عورتوں نے پتھر کو دروازے سے ہٹا ہُوا پایا

اس سے ظاہر ہے کہ مسیح بغیر پتھر کے دروازے سے ہٹائے جانیکے باہر نہ آسکتا تھا۔ اگر جلالی جسم ہوتا تو پتھر کے ہٹانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر مسیح کے فرضی جی اُٹھنے کے بعد بھی اسکا جسم ایسا ہی تھا کہ وہ بغیر پتھر کو ہٹائے جانے کے باہر نہ نکل سکتا تھا تو یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ ایسے جسم کے ساتھ وہ آسمان پر بھی نہ چڑھ سکتا تھا۔ اور قبر سے نکلنے کے بعد جسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی جیسا کہ انجیلوں سے ظاہر ہے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یسوع نے قبر سے نکلتے ہی بھیس بدل لیا چنانچہ جب مریم نے اِسے دیکھا تو وہ پہچان نہیں سکی بلکہ ایک دو باتیں اس سے کیں تو بھی نہیں پہچانا۔ اور اسی طرح پر دو حواری بھی حالانکہ بہت دُور تک اسکے ساتھ چلتے رہے اور باتیں کرتے رہے اسے پہچان نہ سکے۔ اور اسے ایک دیہاتی آدمی خیال کرتے رہے۔ مریم نے بھی اسے باغبان سمجھا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ اے باغبان! حالانکہ اسکا مخاطب مسیح تھا۔ کہاں خُدائی اور کہاں باغبانی۔ اور عجیب جلال تھا کہ باغبان کے کپڑے پہن لیئے۔ اُسی طرح شکل بنالی۔ اور پھر باوجود بھیس بدلنے کے بھی اُسے اندیشہ رہا کہ یہودیوں کو خبر نہ ہو جائے اور چُھپکے سے مریم کو بھی کہا کہ ڈرمت یعنی میرے پکڑا جانیسے نہ ڈر بلکہ میرے دوستوں کو اطلاع دیدے کہ وہ گلیل کو چلیں اور مصلحت بھی اسی میں تھی کہ یروشلم میں تو نیا نیا شور پڑا ہوا تھا وہاں اگر حواریوں سے ملتا تو شائد دشمنوں کو بھی اطلاع ہو جاتی۔ اِسلیئے اِسنے مناسب یہی خیال کیا کہ اکیلا اور بھیس بدلکر سفر کرے کیونکہ اگر حواریوں سے ملتا تو ضرور پکڑا جاتا۔ گلیل میں پہنچکر بھی حواریوں کے پاس جب آیا تو دروازے بند کر دیئے گئے تا کوئی دشمن اندر نہ آجائے۔ اور اس کے بھاگنے کی یہودیوں کو اطلاع نہ ہو جائے۔ اگر جلالی جسم تھا تو ان احتیاطوں کی کیا ضرورت تھی اور کیوں یروشلم میں حواریوں سے بھی نہ ملا۔ یہودی تو ایک طرف رہے اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ چُپکے سے اس ملک سے الگ ہونا چاہتا تھا۔ اور اگر یہودیوں کو افواہ بھی پہنچ جاتی تو پھر اسکی جان کی خیر نہ تھی۔

اب یہ قصہ جو انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے قابل غور ہے ایک آدمی تین گھنٹہ کے لئے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے۔ اور کوئی تاریخی شہادت اس امر کی نہیں ملتی کہ صلیب پر تین گھنٹہ میں کوئی آدمی مرگیا ہو صلیب سے اتارے جانیکے بعد اسکی ہڈیاں توڑی نہیں جاتیں۔ جو آدمی اسکے ساتھ ہی صلیب پر چڑھائے گئے اور ساتھ ہی اُتارے گئے وہ زندہ ہی تھے۔ جب اسکی پسلی میں ذرا نیزہ کا سرا چبھویا گیا تو وہاں سے خون نکلا۔ کوئی طبی شہادت لی نہیں گئی کہ واقعی یہ شخص مرچکا ہے۔ دوسرے مجرموں کی لاشوں کیساتھ اسکا جسم نہیں رکھا گیا بلکہ ایک دولتمند مُرید کے سپرد کیا گیا جس نے ہر طرح سے

اسکی خبر گیری کی اور سب علاج کئے - بجائے قبر میں دفن کئے جانیکے اسے ایک وسیع کوٹھے میں رکھا گیا جس کا ایک دروازہ بھی تھا اس کے دوست اور رشتہ دار تیسرے دن اسے دیکھنے بھی آئے۔ پتھر کو دروازے سے ہٹائے جانیکے بغیر وہ قبر سے نہ نکل سکا - باہر نکلتے ہی باغبان کا بھیس بدل لیا - (قبر بھی ایک باغ میں ہی تھی) اپنے دوستوں اور حواریوں کو وہاں ملنا پسند نکیا جہاں اسکے پکڑے جانیکا اندیشہ تھا جبھی کہ چلنے کے قابل ہؤا اُس شہر سے بھاگ گیا جہاں یہ سب مصیبت اُسکے سر پر آئی تھی - ستر میل تک پاپیادہ گیا - جب سفر کا تھکان معلوم ہؤا تو آرام بھی کیا - بھوک اور پیاس لگی تو اپنے دوستوں سے کھانا مانگا - معمولی انسانوں کی طرح کھاتا اور پیتا رہا - کیلوں کے زخم جو صلیب سے اسکے ہاتھوں پر آ گئے تھے وہ اپنے دوستوں کو دکھائے - اور اپنے آپ کو خفیہ اور بھیس بدلے رکھا - کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص تمام طاقتوں کا مالک خدا تھا جو آسمان پر چڑھنے کی طیاریاں کر رہا تھا ان واقعات سے تو صاف اور سیدھا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اسقدر تھوڑے وقت میں کوئی انسان صلیب پر مر ہی نہ سکتا تھا صلیب سے اُتارے جانے کے بعد عمداً ان تمام امور سے پرہیز کیا گیا جو اسکی موت کا باعث ہو سکتے تھے - ہوش میں آکر ایک دن اور دو راتوں کے بعد اس نے ایک باغبان کا بھیس بدل لیا اور اکیلا وہاں سے بھاگ نکلا وُہی گوشت اور ہڈیوں کا جسم تھا اور وُہی کمزوریاں اور خواہشیں تھیں جو صلیب سے پہلے بھی موجود تھیں اور ان لوگوں کے ظلموں سے تنگ آکر آخر کہیں اور پناہ جالی - یہ حضرت مسیح کا قصہ ہے اور ہر ایک عقلمند صاف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ بھاگ کر کہیں اَور پناہ گزین جا ہوئے۔

(باقی آئندہ)

مسیح موعود کی لائف اور مشن

(اُنکے اپنے الفاظ میں.)

مَیں کچھ مختصر حال اپنا بیان کرتا ہُوں - اور وُہ جو خدا تعالیٰ کے فضل میں سے میرے حصے میں لکھا گیا اور میری دعوت میں داخل کیا گیا کسی قدر اسکو لکھتا ہُوں کیونکہ مَیں حکم دیا گیا ہُوں کہ وہ دعوت تُم تک پہنچاؤں اور قرض کیطرح اسکو ادا کروں - سو واضح ہو کہ مَیں خاندان عزت اور ریاست سے ایک آدمی ہُوں اور میرے بُزرگ امیر اور صاحب مُلک تھے اور مجھے خبر دیگئی ہے کہ وہ سمرقند سے اس ملک میں آئے تھے اور وقت کے بادشاہ نے اُنکو حکومت اور امارت کیخدمت سپرد کی تھی اور فوج اور تلوار ان کو دیگئی تھی پس جبکہ اس مُلک پر سکھوں کا زور اور تسلط ہُوا اور فساد انگیزی میں اُنہوں نے حد سے تجاوز کیا - تو اسوقت یہ اتفاق ہُوا کہ سکھوں نے ہمارا مُلک اور تمام املاک چھین لیں - اور ہمیں قید کر دیا - پھر ہم محض انکے ظلم کی وجہ سے اپنے دار الریاست سے نکالے گئے اور وہ دِن سردی کے دِن تھے اور سخت سردی پڑتی تھی - پس ہمارے بزرگ رات کیوقت سردی سے کانپتے ہُوئے اپنے دار الریاست سے نکلے اور ہمارے غم کے ایسے تھے جیساکہ کوئی گھٹنوں پر گرا جاتا ہے - تب اُنہوں نے ایک اَور ریاست میں ایک عارضی رہائش اختیار کی اور اُس ریاست نے کسی قدر نیک سلوک اُنکے ساتھ کیا اور بغیر کسی سوال کے ان کی ہمدردی کی اور ان کی تنگدستی کے کچھ نشان دیکھ کر اُنپر رحم کیا اگرچہ انکا سلوک بہت کم اور نہ ناکافی سلوک تھا - پھر جب زمانہ دولت برطانیہ کا آیا اور شیطانی غارتوں کا وقت گذر گیا تو ہم اس سلطنت کے ذریعہ سے امن میں آ گئے اور ہمارے بزرگوں نے پھر اپنے وطن کی طرف معہ رفیقان سفر کے مُراجعت کی اور خُدا تعالیٰ کا شکر کرتے تھے اور بعض دیہات ہمارے اور بعض مال ہمارے ہمیں واپس دئے گئے اور ہمارا بخت برگردیدہ پھر ہماری طرف آیا اور دو خوشیاں باغوں کے پھولوں کیطرح ہمارے وجُود میں پھُوٹ نکلیں - ایک امن کی خوشی اور دوسرے دینی آزادی کی خوشی اور مجھے اپنے معظم اور مکرم بزرگوں کی ریاست سے کچھ حصہ نہیں ملا اور مَیں اپنے باپ کی موت کے بعد محرُوموں کی طرح ہو گیا اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اَور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا یا کچھ اِرد گرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ رُوشناس تھے اور میری یہ حالت تھی کہ اگر مَیں کبھی سفر سے

اپنے گاؤں میں آتا تو کوئی مجھے نہ پوچھتا کہ تو کہاں سے آیا۔ اور اگر میں کسی مکان میں اترتا تو کوئی سوال نہ کرتا کہ تو کہاں اترا ہے اور میں اس گمنامی اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا اور میری طبیعت کچھ ایسی واقع تھی کہ میں پوشیدہ رہنے کو بہت چاہتا تھا اور میں ملنے والوں سے تنگ آجاتا تھا اور کوفتہ خاطر ہوتا تھا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ سے نومید ہوگیا اور سمجھا کہ یہ ہم میں ایک شب باش مہمان کی طرح ہے جو صرف روٹی کھانے کا شریک ہوتا ہے اور گمان کیا کہ یہ شخص خلوت کا عادی ہے اور لوگوں سے وسیع گھر کے ساتھ میل جول رکھنے والا نہیں۔ سو وہ مجھے اس عادت پر غصہ سے اور تیز کاردوں سے ملامت کرتا اور مجھے دن رات اور ظاہر اور درپردہ دنیا کی ترقی کے لئے نصیحت کیا کرتا تھا اور دنیا کی آرائشوں کیطرف رغبت دیتا تھا اور میرا دل خدا کی طرف کھنچا جارہا تھا اور ایسا ہی میرا بھائی مجھے پیش آیا اور وہ ان باتوں میں میرے باپ سے مشابہ تھا۔ پس خدا نے ان دونوں کو وفات دی اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اس نے مجھ کو کہا کہ ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا تا تجھ میں خصومت کرنے والے باقی نہ رہیں اور انکا الحاح تجھ کو ضرر نہ کرے پھر میرے رب نے مجھے عزت اور بزرگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مجھے مسیح موعود بنادیگا اور اپنے عہد مجھ میں پورے کریگا اور میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں اور میری تمام ذلت پوشیدہ اور گم رہنے میں تھی میں دنیا اور دین کی شہرت کو نہیں چاہتا تھا۔ اور میں ہمیشہ اپنی کوشش کی اونٹنی اسی طرف چلاتا گیا کہ میں فانیوں کی طرح پوشیدہ رہوں پس خدا کے حکم نے میرے پر غلبہ کیا اور میرے مرتبہ کو بلند کیا اور مجھے دعوتِ مخلوق کیلئے حکم کیا اور جو چاہا کیا کہ وہ احکم الحاکمین ہے۔

حِبٌّ لنا فحبّہ نتحبّب ۔۔۔ وعن المنازل والمراتب نرغبُ
انّی اری الدنیا وبلاءٔ اھلھا ۔۔۔ جدبت وارضٌ وداد نالا تجدبُ
یتمایلون علی النعیم وانّنا ۔۔۔ ملنا الیٰ وجہ یسرٌ یطربُ
انا تعلقنا بنور حبیبنا ۔۔۔ حتی استنار لنا الذی لا یحجبُ
سبّوا وما ادری لایّ جریمۃٍ ۔۔۔ سبّوا العصی الحبّ او نتجنّبُ
اقسمت انّی لن افارقہ ولو ۔۔۔ مزقت اُسُودُ جثتی او اذئبُ
ذھبت ریاسات الاناس بموتھم ۔۔۔ ولنا ریاسۃ خلّۃ لا تذھبُ

۵ ہمارا ایک دوست ہے اور ہم اُسکی محبت سے پُر ہیں - اور مراتب اور منازل سے ہمیں بے رغبتی اور نفرت ہے - مَیں دیکھتا ہوں کہ دُنیا اور اسکے طالبوں کی زمین قحط زدہ ہو گئی یعنی جلد تباہ ہو جائیگی اور ہماری محبت کی زمین کبھی قحط زدہ نہیں ہو گی - لوگ دُنیا کی نعمت پر جُھکتے ہیں مگر ہم اِس مُنہ کیطرف جُھک گئے ہیں جو خوشی پہنچانے والا اور طرب انگیز ہے - ہم اپنے پیارے کے دامن سے آویختہ ہیں ایسے کہ جو صاف اور شفاف نہیں ہو سکتا وہ بھی ہمارے لئے منور ہو گیا - انہوں نے گالیاں دیں اور مَیں نہیں جانتا کیوں دیں کیا ہم اُس دوست کی مخالفت کریں یا اُس سے کنارہ کریں میں نے قسم کھائی ہے کہ مَیں اُس سے علیحدہ نہیں ہونگا اگرچہ شیر یا بھیڑیئے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کردیں لوگوں کی ریاستیں انکے مرنے کے ساتھ جاتی رہیں اور ہمارے لئے دوستی کی وہ ریاست ہے جو قابلِ زوال نہیں -

اور اسیطرح مَیں لوگوں سے منقطع ہو چکا تھا اور دُنیوی صلح اور جنگ سے فارغ ہو کر خدا تعالےٰ کی طرف جُھک گیا تھا اور مَیں ابھی نوجوان تھا کہ اس بات کو جانتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک امرِ عظیم کیلئے پیدا کیا ہے - اور میری طبیعت ترقی اور قرب رب العالمین کو چاہتی تھی - اور میری طبیعت کا سونا خاک کی جڑھ میں چمک رہا تھا - بغیر اسکے کہ وہ کھود کر نکالا جائے اور ظاہر کیا جائے - اور میرا باپ میرے معاملہ میں غمگین رہتا تھا اور میری آہستگی کی خصلت اور دُنیا کے کاموں میں شوخ اور چالاک نہ ہونا اسکو فکر اور غم میں رکھتا - اور وہ اس کوشش میں تھا کہ تا ہم اقبال کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں اور اپنے بزرگوں کیطرح دولت اور امیری کو پالیں - حاصلکلام یہ کہ میرے باپ کا ارادہ تھا کہ ہم دُنیا کے اعلےٰ سے اعلےٰ مراتب پر پہنچ جاویں - لیکن خدا نے میرے لئے ایک اَور رتبہ کا ارادہ کر رکھا تھا پس جو خدا نے چاہا وُہی ہُوا - اور اس نے سخت سیاہ رات میں جسکے سیاہ اور لمبے بال تھے نور عطا فرمایا اور میرے دِل کو اُمتوں اور قوموں کے روشن کرنیکے لئے روشن کیا اور میرے پر احسان کیا اور مجھے مسیح موعود بنایا جیسا کہ قدیم سے اِسکا وعدہ تھا - پھر طرح طرح کی مددوں کے ساتھ میری تائید کی اور اپنے نشان دکھلائے اور میرے لئے آسمان پر کسوف خسوف ظاہر کیا تا کہ دعوے کی راہ چلے اور کہانیوں کی راہوں کیطرح نہ ہو - اور جب مَیں نے اپنے مسیح موعود ہونے کی لوگوں کو خبر کی تو یہ بات اس ملک کے لوگوں پر بہت شاق گذری اور مجھے اُنہوں نے کافر ٹھہرایا اور میری تکذیب کی اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کرتے اگر حکام کا خوف نہ ہوتا - اور وہ یہ حجت پیش کرتے تھے

کہ مسیح آسمان سے اُتریگا۔ جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے اور اُسپر اکابر فضلا کا اتفاق ہے اور وہ اسی پر اصرار کرتے تھے اور ہمنے اِن کو سُنایا مگر انہوں نے نہ سُنا اور ہمنے سمجھایا مگر انہوں نے نہ سمجھا پس ہمنے ارادہ کیا کہ اِس دعوت کو دوسری قوموں تک پُہنچاویں اور ان کو بہلو بنر گواہ بناویں اور منکروں پر دوبارہ حجت قائم کردیں اور خدا سے ہم مدد چاہتے ہیں اور وہی بہتر آقا اور وہی بہتر مددگار ہے۔

اے زمین سُن جو میں کہتا ہوں اور اے آسمان گواہ رہ

اے بھائیو! میں اللہ جلشانہ سے الہام دیا گیا ہوں اور علوم ولایت میں سے مجھے علم عطا ہُوا ہے پھر میں صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا تا اِس اُمت کے دین کی تجدید کروں اور ایک حکم بنکر ان کے اختلافات کو درمیان سے اُٹھاؤں اور صلیب کو آسمانی نشانوں کیساتھ توڑوں اور قوت الٰہی سے زمین میں تبدیلی پیدا کروں۔ اور اللہ تعالےٰ نے الہام صریح اور وحی صحیح سے مجھے مسیح موعود اور مہدی معہود کے نام سے پکارا اور میں فریبیوں میں سے نہیں اور نہ میں ایسا ہوں کہ میری زبان پر جھوٹ جاری ہوتا اور میں لوگوں کو بدی میں ڈالتا اور جھوٹوں کے انجام کو آپ لوگ جانتے ہیں بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے اور باوجود اِسکے میںنے اپنے نفس پر یہ تنگی کر رکھی تھی کہ میں کسی الہام کی پیروی نہ کروں مگر بعد اِسکے کہ بار بار خدا تعالیٰ کی طرف سے اِسکا اعلام ہو۔ اور قرآن اور حدیث سے بکلی موافق ہو اور پوری پوری مطابقت ہو۔ پھر اس کارروائی کے لئے ایک یہ شرط بھی میری طرف سے تھی کہ میں الہام کے بارے میں اسکے کناروں تک نظر ڈالوں اور بغیر مشاہدہ خوارق کے قبول نہ کروں۔ پس بخدا کہ میںنے اپنے الہام میں اِن تمام شرطوں کو پایا اور میں نے اسکو سچائی کا بلاغ دیکھا نہ اُس خشک گھاس کیطرح جسمیں سانپ ہو۔ پھر یہ الہام اُس وقت مجھے ملا جبکہ میرے جگر کے ٹکڑے خدا تعالےٰ کے شوق میں اُڑے اور عشاق الٰہی کی موت میرے پر آئی اور کئی قسم کے جلانے سے میں جلایا گیا اور کئی قسم کے خونوں سے میں کوٹا گیا اور اہل و عیال سے میرا دِل کاٹا گیا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا فعل پورا ہو گیا اور میرا راستہ کھولا گیا اور میرے چاند کا نور مجھ میں بھر گیا۔ پس اس سے مجھے دو حصے ملے۔ الہام کا نور اور عقل کا نور۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور کوئی اسکے فضل کو رد نہیں کرسکتا۔

پھر میرے الہام غیب کی پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور غیب اللہ جلشانہ کی ذات سے خاص ہے اور ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر اُس شخص کو پورا غلبہ بخشے جو فاسد الخیال

اور دُنیا کا چاہنے والا ہے۔ کیا خدا ایسے آدمی کو دوست پکڑ سکتا ہے جس نے ہلاکت کی دام محض فریب کی راہ سے بچھائی اور لوگوں کو گمراہ کیا اور ہدایت کی اور دین اسلام کو دشمنوں کی طرح ضرر پہنچایا۔ اور نورِ صدق سے اسکے مطلع کو روشن نہ کیا۔ اور اسکی غمخواری میں نہ کبھی صبح کی اور نہ شام اور اس کی اصلاح کے لئے کچھ تگ و دو نہ کی بلکہ اپنے جھوٹ کیساتھ ذہنوں کا زنگ بڑھایا اور اپنے افترا کی باتوں کے ساتھ اُمت میں فتنہ کی گرد و غبار پیدا کر دی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالےٰ مفتریوں کو رسوا کرتا اور انکی جڑھ کاٹ کر اُن کے ساتھ انکو ملا دیتا ہے جو اُنسے پہلے لعنت کئے گئے ہیں۔

اور پھر یہ بات یاد رکھو کہ ایک مُدت سے مجھے الہام ہو رہا تھا جسکو مَیں نے لوگوں سے ایک عرصہ تک چھپایا اور اپنے تئیں ظاہر نہ کیا پھر مَیں ظاہر کرنے کے لئے مامور ہوُا تب مَیں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور تمہیں حدیثیں پہنچ چکی ہیں اور تم سُن چکے ہو کہ مسیح موعود اور مہدی موعود صلیب کے غلبہ کے وقت ظاہر ہوگا۔ اور صلیبی خرابیوں اور گمراہیوں کی تلافی کریگا اور مستعد لوگوں کو ہدایت دیگا۔ اور جنکو ان کے نفسانی ننگ اور سرکشی قبول کرنے سے روکیگی وہ اتمام حُجت کے حربہ سے مقتول کی طرح ہو جائیں گے۔ اور مسیح میں نزول کا لفظ اسلئے استعمال کیا گیا تاکہ اس بات کیطرف اشارہ ہو کہ مسیح زرہ اور ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا اور کوئی لڑائی اسکو پیش نہیں آئیگی بلکہ اسکی بادشاہت آسمان میں ہوگی اور اُسکا حربہ اُسکی دُعا ہوگی۔

خُدا تعالےٰ کی عادت یُوں جاری ہوُئی ہے کہ وہ بروقت کسی فساد کے تجدید دین کے لئے از سرِنَو توجہ فرماتا ہے۔ پس اسی لئے اس نے میرے پر تجلی کی تاکہ اجساد میں رُوح پھونکے اور مجھ مسیح اور مہدی بنایا اور تمام سامان رشد کا مجھے عطا فرمایا اور مجھے وصیت کی کہ مَیں نرم زبانی اختیار کروں اور سختی اور افروختہ ہونے کو چھوڑ دُوں۔ مگر کسر صلیب کا لفظ جو حدیثوں میں آیا ہے وہ بطور مجاز کے استعمال کیا گیا ہے اور اس سے مُراد کوئی جنگ یا دینی لڑائی اور درحقیقت صلیب کا توڑنا نہیں ہے اور جس شخص نے ایسا خیال کیا اُس نے خطا کی ہے بلکہ اس لفظ سے مُراد عیسائی مذہب پر حجۃ پُوری کرنا اور دلائل واضح کے ساتھ صلیب کی شان کو توڑنا ہے۔ اور ہمیں حکم ہے کہ ہم نرمی اور حلم کے ساتھ حجت کو پُوری کریں اور بدی کے عوض میں بدی نہ کریں مگر اُس صورت میں جب کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے اور اہانت کرنے اور فحش گوئی میں حد سے بڑھ جائے پس ہم عیسائیوں کو گالی نہیں دیتے اور دشنام اور فحش گوئی اور ہتک عزت سے پیش نہیں آتے اور

ہم صرف ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بصراحت یا اشارات سے گالیاں دیتے ہیں۔ اور ہم اُن پادری صاحبوں کی عزت کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیتے اور ایسے دلوں کو جو اس پلیدی سے پاک ہیں ہم قابل تعظیم سمجھتے ہیں اور تعظیم تکریم کے ساتھ اُنکا نام لیتے ہیں اور ہمارے کسی بیان میں کوئی ایسا حرف اور نقطہ نہیں ہے جو اُن بزرگوں کی کسرشان کرتا ہو اور صرف ہم گالی دینے والوں کی گالی انکے مُنہ کی طرف واپس کرتے ہیں۔ تا اِن کے افترا کی پاداش ہو۔

تین نام ہیں جو احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہیں۔ یعنی حکم اور مہدی اور مسیح۔ اور جیسا کہ روایت کیا گیا ہے حکم کے نام کی یہ وجہ ہے کہ مسیح موعود اُمت کے اختلاف کے وقت میں ظاہر ہوگا اور ان میں اپنے قول فیصل کے ساتھ وہ حکم دیگا جو قریب انصاف ہوگا اور اس کے زمانہ کے وقت میں کوئی عقیدہ ایسا نہیں ہوگا جسمیں کئی قول نہ ہوں۔ پس وہ حق کو اختیار کرے گا اور باطل اور گمراہی کو چھوڑ دیگا۔ اور مہدی کے نام کی وجہ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ علم کو علماء سے نہیں لیگا اور خدا تعالےٰ کے پاس سے ہدایت پائیگا جیسا کہ اللہ جلشانہٗ نے اپنے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طریق سے ہدایت دی۔ اس نے محض خُدا سے علم اور ہدایت کو پایا۔ اور مسیح کے نام کی وجہ جیسا کہ روایت کیگئی ہے یہ ہے کہ وہ دین کی اشاعت کے لئے تلوار اور نیزہ سے کام نہیں لیگا بلکہ تمام مدار اسکا آسمانی برکتوں کے چھونے پر ہوگا اور اُسکا حربہ قسم قسم کی تضرع اور دُعا ہوگی۔ پس خُدا کا شکر کرو کہ وہ تمہارے زمانہ اور تمہارے ملک میں موجود ہے اور وہی تو ہے جو اسوقت تم سے کلام کر رہا ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں برکات نازل ہو رہے ہیں اور نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور ایمان کا مسافر اپنے وطن کیطرف رجوع کر رہا ہے۔ اور اُس کے معدن سے علم کے موتی نکل رہے ہیں یہ وُہ دن ہے جس سے کُفار کے دلوں میں دھڑکہ بیٹھ گیا ہے اور غلبۂ رقت کی وجہ سے ابرار کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ دن غافلوں کے جاگنے کا دن اور بھاگنے والوں کی رقتِ قلب کا دن ہے۔ اور یہ دن قبول اور رد کا دن ہے۔ اسمیں قبول کرنے والوں کے مُنہ کشادہ اور خنداں اور پہچاننے والے ہیں۔ اور رد کرنے والوں کے مُنہ تُرش اور بدشکل اور ناشناس ہیں۔ اور جس نے صادق کے پاس آکر اسکی تصدیق کی اُس نے نئے سرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اپنے امر منفرق کو

جمع کر لیا اور جس نے اعراض اور انکار کر کے صادق کی تکذیب کی وہ شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہوگیا۔ اور کچھ ہوڈرا۔ یہ میرا قول نہیں بلکہ یہی خدا تعالیٰ نے تاکیداً فرمایا ہے۔ میرے مبعوث ہونے کے ساتھ تمام زاہد اور عابد آزمائے گئے۔ اور مجھے وہی دل جانتے ہیں جو بدلائے گئے اور مستقیم کئے گئے۔ مگر اس ملک کے اکثر علماء کا دل مرگیا اور خدا نے اُنکا نور ہدایت اور زیرکی چھین لی سو مجھے اکثر کافر کہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کس کو کہہ رہے ہیں اور حق سے مُنہ پھیرتے ہیں اور قبول نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ کے نشان دیکھتے ہیں اور پھر ہدایت نہیں پاتے اور مجھے گالیاں دیتے ہیں اور میری بیخکنی کے لئے کوشش کرتے اور منصوبے بناتے ہیں اور مجھ سے اور میری جماعت سے ٹھٹھا کرتے اور بُرے بُرے نام رکھتے ہیں اور عنقریب ظالم لوگ جان لینگے کہ کہاں پھیرے جاتے ہیں۔

پھر اے بزرگوں کے گروہ آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ مجھے کئی سال سے الہام ہو رہا ہے۔ اور مَیں اس بات کو عام و خاص پر ظاہر کرنے کے لئے حکم کیا گیا ہوں کہ وہ مسیح صدیق جس کے اُترنے کے لئے اس اُمت کو وعدہ دیا گیا ہے کہ وہ صلیبی فتنوں کے شائع ہونیکے وقت اُتریگا **وُہ یہی** بندہ ہے جو صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا اور حکم کیا گیا ہے کہ تا خدا تعالیٰ کی حجت اہل صلیب پر پُوری کرے اور دلائل قاطعہ کے ساتھ اُنکے غلو کو توڑے اور تمام کفار کا قطع عذر کرے اور جو لوگ بے توشہ ہو رہے ہیں اُن کو متاع جدید عطا فرماوے اور خدا کے ڈھونڈنے والوں کو خوشخبری دے یعنے اُن لوگوں کو جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ اور جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ اس نبی پر خدا اور اُس کے فرشتوں اور تمام پاک بندوں کی طرف سے درُود ہو۔ اور مَیں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ وقت مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ اور ہمارے رب کی بات صدق اور سچائی سے پُوری ہوگی اور اُس نے اپنے عہدوں کو پُورا کیا اور کس طرح پُورا نہ کرتا اور اس کے وعدے کی مُدت بہت گذر گئی تھی اور تمام نشانیاں پُوری ہوچکی تھیں۔
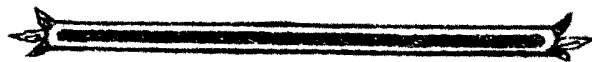
اِسْتِغْفَار

زبان عربی کی ناواقفیت اور اس سچے تعلق کو جو اللہ تعالےٰ اور اسکے بندوں میں ہوتا ہے نہ سمجھنے کے باعث بہت لوگوں نے استغفار کے معنوں میں غلطی کھائی ہے۔ استغفار جیسا کہ اسکے باب استفعال سے ہونے سے صاف ظاہر ہے کسی شے کی طلب یا دُعا ہے۔ شے مطلوب کے سمجھنے کے لئے لفظ کے اصل معنوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ استغفار غفر سے نکلا ہے جس سے مغفرت غفران وغیرہ دوسرے مصدر بھی آتے ہیں لفظ غفر کے اصل و اول معنے جس سے تمام دوسرے مفہوم نکالے گئے ہیں ڈھانکنے یا حفاظت کے ہیں لہذا استغفار کے اصلی معنے حفاظت کے لئے دُعا یا طلب حفاظت ہوئے باقی رہے یہ امر کہ کس سے حفاظت طلب کی جاتی ہے اور کس بارے میں حفاظت طلب کیجاتی ہے سو انمیں سے امر اول کے متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ اصطلاح مذہب اسلام کی ہے اور اسلئے یہ دُعا بھی خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کے آگے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسلام نے صرف اللہ تعالیٰ کو ہی وہ ہستی قرار دیا ہے۔ جس سے تمام دُعائیں مانگی جانی چاہئیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام میں مروج طریق استغفار کا استغفر اللہ ہی ہے جس سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار میں حفاظت اللہ تعالیٰ سے ہی مانگی جاتی ہے اسلئے یہاں تک تو کسی عیسائی کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کرنا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حفاظت کس بارے میں ہے آیا اسکا منشاء صرف یہ ہے کہ ان بدیوں کی سزا سے حفاظت طلب کیجاوے جنکا کوئی شخص مرتکب ہوچکا ہے یا اوّلاً حفاظت خود بدی اور گناہ سے طلب کیجاتی ہے اور پھر معنوں کو وسعت دینے سے وہ حفاظت بھی اسمیں شامل ہوجاتی ہے جو بدیوں کی سزا سے طلب کیجاوے۔

ان سوالوں کے جواب کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے کیا تعلق ہے۔ آیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے پھر اس سے کوئی تعلق رکھا ہے یا نہیں سو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں بلکہ وہ قیوم بھی ہے۔ اور جس چیز کو اُس نے

پیدا کیا ہے اسکی حفاظت بھی کرتا ہے جیسا کہ انسان بغیر خدا تعالیٰ کی خالقیت کے عدم سے وجود میں نہ آسکتا تھا ایسا ہی بغیر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے وُہ پیدا ہونے کے بعد رہ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا یہ تقاضا تھا کہ وُہ انسان کو پیدا کرے اور صفت قیومی کا یہ تقاضا تھا کہ جس چیز کو اُسنے اپنی صورت پر پیدا کیا تھا اسکو بگڑنے اور ہمیشہ کی تباہی سے بچا دے۔ انہی دو صفات کے بیان کے لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حیّ اور قیوم آئے ہیں یعنی عدم سے وجود میں لانے والا۔ اور حفاظت کرنیوالا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کرسکتا کہ انسان کی زندگی کے لئے جیسا کہ خالق کی ضرورت ہے قیوم کی بھی ضرورت ہے اب جیسا کہ خدا تعالیٰ میں یہ حفاظت کی صفت موجود ہے اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے انسانی فطرت میں ایک کمزوری ہے جو اسکے مخلوق ہونیکا لازمی نتیجہ ہے۔ فطرت کی کمزوری چاہتی ہے کہ اسکا سہارا کسی پر ہو۔ قرآن شریف نے انسانی فطرت کی کمزوری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے خلق الانسان ضعیفا یعنی انسان کی پیدائش میں ہی کمزوری رکھی گئی ہے۔ انسان کا مخلوق ہونا ہی اس کمزوری کو چاہتا تھا تا اسکا سہارا اپنے خالق پر ہو۔ انسان ہر قدم میں اسیطرح اپنے خالق کا محتاج ہے جسطرح بچہ اپنی ماں کا۔ پس ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی صفت قیوم ہونے کی ہے اور دوسری طرف انسانی فطرت کی کمزوری ہے جو کسی سہارے اور مدد کو چاہتی ہے۔ اب اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی بیرونی اور اندرونی حفاظت کے لئے ہزارہا قسم کے اسباب پیدا کئے ہیں اور بن مانگے انسان کو وہ وسائل عطا کئے ہیں جن سے اس کی زندگی کا قیام ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ انسان کو چونکہ عقل دیگئی ہے اسلئے خدا تعالیٰ کی بعض عنایات ایسی ہیں کہ وہ انسان کو بھی طلب کرنی چاہئیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اُٹھا سکے۔ ہر ایک سمجھدار آدمی اپنی فطرت کی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود بُری کششوں کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت صرف خدا تعالیٰ سے ملسکتی ہے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسلئے پھر اگر جان بوجھ کر وہ خدا تعالیٰ سے طاقت طلب نہیں کرتا تو وہ خود خدا تعالیٰ کے اس عطیہ سے اپنے تئیں محروم رکھتا ہے جسکو وہ طلب کرتا تو اس سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ اسی مانگنے کی ضرورت کی طرف ہی قرآن شریف کی اس آیت میں اشارہ ہے جہاں یہ دُعا سکھلائی گئی ہے کہ ایاک نستعین۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ فطرتی کمزوری کو پورا کرنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد مانگا کرے۔ جیسا کسی انسان کو اس فطرتی کمزوری کا احساس زیادہ ہوگا۔

ویسا ہی خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقت مانگیگا اور اُتنا ہی زیادہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کو پائیگا۔

یہاں تک یہ دلیل اسقدر روشن اور واضح ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہو اسکو اسکے ماننے سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ میں قیوم ہونے کی صفت ہے اور انسان کی فطرت میں کمزوری ہے جو کسی سہارے کو چاہتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ فطری کمزوری کے بد اثر سے محفوظ رہنے کے لئے انسان خدا تعالےٰ کی مدد اور حفاظت کو طلب کرے۔ دوسرے لفظوں میں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ گناہ سے بچا رہے اُسے خدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد کی دعا کرنی چاہئے یہی بعینہٖ استغفار کے اصلی اور سچے معنے ہیں کیونکہ استغفار کے اصلی معنے لغت کی رو سے ہم دکھا چکے ہیں یہی ہو سکتے ہیں کہ انسان خدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرے۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اور مدد کا طلب کرنا بدی سے بچنے کے لئے ضروری ہے تو گویا استغفار بدی سے بچنے کے لئے ضروری ہوا بغیر اس بحث کے کہ کوئی انسان جو ایسی حفاظت طلب کرتا ہے گنہگار ہے یا نہیں۔ اگر گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو بھی چونکہ انسان کا اصل سہارا خدا ہی ہے خدا تعالیٰ سے حفاظت طلب کرنا ضروری ہوتا یا دوسرے الفاظ میں استغفار ضروری ہوتا۔ استغفار کی ضرورت دائمی ہے تاکہ وہ عمارت جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے ضائع نہ ہو جاوے۔ لیکن یہ بغیر خدا تعالیٰ کی مدد اور حفاظت کے ممکن ہی نہ تھا۔ انسانی فطرت میں ایک طبعی تقاضا تھا جسکو پورا کئے بغیر وہ کمال کو حاصل ہی نہ کر سکتا تھا اسی تقاضا کو پورا کرنے کیلئے اسکو استغفار کی ہدایت کیگئی تاکہ خدا تعالیٰ کی مدد کے ساتھ فطری کمزوری کا ازالہ ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت کا ظہور تو صرف پیدا کرنے کیوقت ہی ہوتا ہے لیکن اسکی صفت قیومیت چونکہ انسان کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اسلئے اُس کا ظہور بھی ہر وقت ضروری ہے۔ یہاں سے استغفار کی دائمی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ **استغفار** کی سچی اور اصلی ضرورت بدی سے بچنے کے لئے ہے اور اسلئے جو سوال ہمنے ابتداء میں اُٹھایا تھا کہ استغفار میں دعا کس امر سے حفاظت کے لئے مانگی جاتی ہے اسکا جواب یہ ہوا کہ اوّلاً وہ امر جس سے حفاظت طلب کیجاتی ہے انسانی فطری کمزوری ہی ہے۔ انسان کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے صفات دونوں اس امر کے مقتضی ہیں کہ بدی سے بچنے کے لئے استغفار کیا جاوے۔ جس پہلو سے سوچا جائے یہی امر حق معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسانی دل میں یہ خواہش ہے کہ جو بدی وہ کر چکا ہے اُس سے بچنے کے لئے دعا کرے تو اس سے

بدرجہا بڑھ کر یہ تڑپ اُسکے دل میں لگی ہوئی ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور نفس امّارہ کی تمام خواہشیں دبی رہ کر وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرے بلکہ یہ دُوسری خواہش انسانی فطرت میں منقوش ہے اور ہمیشہ وہاں موجود ہے اور ہر ایک شخص کو خواہ اس نے گناہ کیا ہو یا نہ کیا ہو لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ گُناہ کی سزاء سے بچنے کی خواہش صرف گُناہ کرنیکے بعد پیدا ہوتی ہے اور اسلئے یہ ایک عارضی چیز ہے۔ گناہ سے نجات پاجانا ہی نجات ہے اور چونکہ ہر ایک دل میں نجات کی خواہش فطرتی طور پر لگی ہوئی ہے اسلئے تمام انسانوں کی پہلی اور سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ وُہ گناہوں سے نجات حاصل کریں۔ علاوہ اسکے گناہوں کی سزاء سے بچنے کی خواہش کبھی دل میں پیدا ہوتی ہی نہیں جبتک کہ اُسکے ساتھ یہ سچّی خواہش نہ ملی ہوئی ہو۔ کہ خود گناہ سے ہی نجات ملجائے۔ سچّی توبہ یہی ہے کہ انسان کا دل بدی سے بیزار ہوجائے اور گناہ سے اُسکو سخت نفرت ہوجاوے۔ ان تمام باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی خواہش جو انسانی دل میں ہے وُہ یہی ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور اسلئے اگر استغفار کے ایک ہی معنے ہوتے اور اسکے معنوں میں وسعت نہ ہوتی تو وہ معنے اسکے سواے کچھ نہ ہوسکتے تھے کہ خُدا تعالی سے بدی سے بچنے کے لئے دُعا کیجاوے اور اسلئے بدی کے نتائج سے محفوظ رکھے جانے کے معنے استغفار کی اہم غرض اور اصل مفہوم نہیں ہے۔

جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہیں اسکی تائید اور طرح پر بھی ہوتی ہے اگر ہم یہ دیکھیں کہ انبیاء کی بعثت کی اصل غرض کیا ہوتی ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ غرض بھی صرف یہی ہوتی ہے کہ وُہ انسانوں کو گناہ سے نجات دیویں اور یہ غرض نہیں ہوتی کہ لوگ گناہ کرتے جاویں اور انبیاء ان کے گناہ معاف کراکر انکو سزاء سے بچاتے جاویں۔ اسلئے جو کام کسی نبی نے کیا ہے اُسکا اندازہ صرف اسی سے ہوسکتا ہے کہ کس قدر اسکے ذریعہ سے دُنیا نے گناہ سے نجات پائی ہے اور اسی ایک معاملہ میں انکی فضیلتوں کا بھی مُقابلہ ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وُہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور کسی نبی کو نہیں ہوئی آپ ایسے وقت میں مبعوث ہوئے جب دُنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور علمی اور اعتقادی طور پر دُنیا ضلالت میں پڑی ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ جو بلا واسطہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے مخاطب تھے ان کی یہ حالت تھی کہ بدیوں میں غرق ہوئے ہوئے تھے اور اخلاق فاضلہ کا نام تک بھی نہ جانتے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپنے ایک عظیم الشان تبدیلی اُن کی زندگی میں کردکھائی اور تمام بدیوں سے جنہیں وہ مبتلا تھے اُن کو نجات دی بدی کے

انہہ گڑھے سے نکالکر آپ نے انکو تہذیب کے اعلیٰ معراج پر پہنچایا۔ اور دُنیا کو گناہ سے نجات دینے کا وہ نمونہ دیا جو محسوس اور مشہود ہے۔ اسی ایک بات میں یسوع کی ناکامی نظر آتی ہے۔ عیسائی اُسکے متعلق صرف یہی کہسکتے ہیں کہ اسکے ذریعہ گناہ معاف ہوگئے لیکن گناہ سے نجات دینے کا نمونہ انجیل کے مطابق انکی زندگی میں کہیں نہیں ملتا اور نہ انجیلیں اس امر پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں کہ کتنے ہزار آدمیوں کو یسوع نے اپنی زندگی میں اور اپنے وعظ اور نمونہ سے بدی سے بچایا۔ اور یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ اُسکی موت کے بعد اسکے پیروؤں میں تبدیلی پیدا ہوگئی تھی بالکل ناقابلِ اعتبار بیان ہے۔ کیونکہ جب وہ زندگی میں کچھ نہیں کرسکا تو کون عقلمند کہسکتا ہے کہ مرکر وہ کوئی اثر ڈال سکا ہو زندگی میں تو وہ اپنے خاص مُریدوں کو بھی گناہ سے نہ چھوڑا سکا۔ بلکہ گیاراں حواری بھی (بارھواں تو قابل ذکر ہی نہیں) عین موقعہ پر اپنے اُستاد کو چھوڑکر بھاگ گئے اور اس طرح سے ایک بڑے گناہ کے مُرتکب ہوئے۔

غرضیکہ انبیاء کی بعثت کی علت غائی گناہ سے نجات دینا ہوتا ہے اور قرآن میں ایسی آیتیں بکثرت موجود ہیں لیکن چونکہ یہ غرض بغیر اسکے کہ گناہ سے نجات حاصل کرنیکے لئے دُعا سکھلائی جائے حاصل ہی نہ ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ خود مخالفین کے نزدیک بھی مُسلم ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے ہی وہ طاقت ملتی ہے جس سے انسان شیطان پر غلبہ پاسکتا ہے۔ اسلئے یہ ایک حیرت انگیز بات ہوگی کہ خدا کا ایک نبی اس غرض کے لئے دُنیا میں آئے اور نبی بھی وہ جسنے سب سے زیادہ دُنیا کو گناہ سے نجات دی ہو اور پھر وہ بغیر اس قسم کی دُعا کے سکھانے کے دُنیا سے چلا جائے۔ قرآن شریف جو بار بار تزکیہ نفس پر اور پاکیزگی کی زندگی پر زور دیتا ہے تو کیا اسمیں وہ ذریعہ نہیں بتایا گیا جس سے انسان پاک زندگی حاصل کرسکتا ہے؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لاکھوں مخلوق کو کھلے کھلے طور پر جس سے انکار نہیں ہوسکتا گناہ سے نجات دی تو کیا بغیر اس ذریعہ کے سکھانیکے تھی جس سے انسان کو گناہ سے نجات ملسکتی ہے؟ اگر ان سوالوں کا جواب ہم ہاں میں دیں تو گویا متضاد امور اور متضاد باتوں کو اکٹھا کرینگے۔

یہ تمام امور اسی بات پر شاہد ہیں کہ استغفار کی علت غائی بدی سے بچے رہنا ہے۔ استغفار دعا ہے جو سب دُعاؤں سے افضل ہے۔ یہ روز کی روٹی کے لئے دُعا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی حفاظت اور قوت کے لئے دُعا ہے گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جانے کے لئے دُعا ہے اور سب سے اعلیٰ اور اکمل برکات کے حاصل کرنیکے لئے دُعا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ اور اسکے بندے میں شدید اور مضبوط

تعلق پیدا کرنیوالی دُعا ہے اور انسانی رُوح کا اس مقام تک پرواز کراتی ہے جو سب سے بلند مقام ہے۔ جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اپنے مولیٰ کے سامنے عاجز ہو کر گر جاتا ہے وہ اپنے نفس کی کمزوری سے کے خطروں اور اپنے مولیٰ کی طاقتوں کو خوب دیکھتا اور سمجھتا ہے وہ اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ایک طاقتور ہستی کی حفاظت میں آجاتا ہے اور اسی سے مدد طلب کرتا ہے اسکی تمام خوشی بلکہ اسکا بہشت اسی میں ہے کہ وہ اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جائے اور بغیر خدا تعالیٰ کی حفاظت کے اسکی زندگی ہی نہیں ہوتی وہ خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے کہ اسے نفس کی کمزوریوں کا مطیع ہونیسے بچاوے اور اپنی پناہ اور اپنے سایہ میں اسکو لیلیوے وہ اپنے آپکو بالکل نیست کر دیتا ہے اور اسکے لئے جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی ہوتا ہے اسکی ہر دم یہی دُعا ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے اسے انسانی کمزوریوں کی لغزش سے بچاوے اور اپنی قوت میں سے اسکو قوت دے اور اپنے نور سے اسکو نور دے اور خود ہی اُسے ہدایت کرے۔ جو شخص ہمیشہ استغفار کرتا ہے وہ اپنی کمزوری کو جان لیتا ہے اور اسلئے مدد اور حفاظت کے لئے ہر لمحہ خدا کی طرف دوڑتا ہے اور اُسکا استغفار اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ نفس کی کمزوریوں پر غالب آگیا اور بدی کی کششوں کو دُور کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہیں بلکہ خدا کی قوت سے بڑھا اور اُسکے نور نے نازل ہو کر ان تمام کمزوریوں کو دبا دیا جو اُسکے گناہ کا باعث ہو سکتی تھیں دانشمند انسان چونکہ اپنے نفس کی کمزوری پر آگاہی رکھتا ہے اسلئے وہ اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے کہ وہ گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جاوے اور استغفار پر اُسکا سہارا ہوتا ہے معصوم وہی ہے جو مدد کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے وہ اس بات کو یقیناً جانتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود کمال اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ کمال اُسے خدا تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اور کہ وہ خود بخود طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت اُسے ہر لمحہ خدا سے ملتی ہے اور کہ خود بخود اسکے اندر کامل روشنی نہیں بلکہ کامل روشنی اُسے خدا تعالیٰ سے ملتی ہے۔ انسانوں میں سے وہی کامل طور پر معصوم ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ خدا تعالیٰ سے قوت طلب کرتا اور قوت پاتا ہے اور اسی کیلئے چلاتا اور دُعا کرتا ہے۔ یہی خدا تعالیٰ کی توحید کے راز کا اصل اصول ہے کہ عصمت کو کسی انسان کی ملکیت خاص نہ کیا جاوے بلکہ اسکا اصل سرچشمہ خدا ہی ہے اور جو اس سے طلب کرتے ہیں وہ ہی پاتے ہیں۔

ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ استغفار کے معنے بعض حالتوں میں وسیع کئے جاتے ہیں لیکن معنوں کی اس وسعت کے ساتھ اسکے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ اسمیں کوئی تغیر ہی آتا ہے۔ وسیع معنوں میں استغفار سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جو گناہ انسان سے ہو چکے ہیں اُنکی سزا سے اور بد نتائج سے

اللہ تعالیٰ سے حفاظت طلب کیجاوے۔ یہاں بھی حفاظت کے طلب کرنیکا مفہوم جو اسکے اصل معنوں میں موجود ہے پایا جاتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اس صورت میں گناہ کے بدنتائج سے حفاظت طلب کی جاتی ہے لیکن ان معنوں میں یہ لفظ اُن لوگوں پر کبھی نہیں بولا گیا جنکو خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور اپنے پیارے اور مقرب لوگ بیان کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے ہیں کہ کسی قسم کی سزا انکو نہ چھوئیگی اور وہ خدا تعالیٰ کے رحم کی گود میں بٹھائے جائینگے۔ پھر انکے استغفار کے یہ معنے کیونکر ہو سکتے ہیں کہ ان کو دوزخ سے بچایا جاوے جبکہ خدا تعالیٰ خود ان کو فرما چکا ہے کہ لا یسمعون حسیسھا یعنی وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اگر انکے استغفار کے یہی معنے ہوتے تو پھر گویا انکو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر کوئی ایمان نہ ہوا۔ وہ جسے خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ہمنے تجھے تمام جہان کیلئے رحمت کر کے بھیجا ہے کیونکر شک کر سکتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کے رحم سے حصہ ملیگا یا نہیں۔

قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جنسے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح بکلی خدا تعالیٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے قل ان صلوٰتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین ترجمہ۔ کہدے کہ میری ایسی حالت ہے کہ میری اپنی ہستی پر بالکل موت وارد ہو چکی ہے اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اور بغیر کسی ملاوٹ کے اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ آیت قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ انبیاء نہیں بولتے جبتک خدا ان کو نہ بلائے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک خدا انسے نہ کرائے جو کچھ وہ کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہیں اور انسے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ۔ اور اُسکی ہستی اُنپر ایسی غالب ہوتی ہے کہ ان کی اپنی ہستی پر فنا آجاتی ہے اُنکے اقوال و افعال اُسی کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام اُسی کیطرف سے ہوتے ہیں مثلاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی جو کام تو نے کیا وہ تو نے نہیں بلکہ خدا نے کیا۔ اور پھر کہتا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یہ نبی اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی بات بولتا ہے جو اسکو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی حکم دیتا ہے۔ ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو خدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پس قرآن کریم

ہیں یہ صاف دعویٰ ہے کہ انبیاء خدا تعالےٰ کے منشاء کے مظہر ہوتے ہیں انکی اپنی خواہشات کچھ نہیں
ہوتیں بلکہ اُنکا جینا مرنا سب کچھ خدا کی خاطر ہی ہوتا ہے اور اپنی بڑائی کی اسمیں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔
اُنکی رُوح خدا تعالےٰ کے آستانہ پر ایسی گری ہُوئی ہوتی ہے اور ایسی خالص عظمت اسی کی چاہتی ہے
کہ غیر کا اسمیں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اسی قسم کی اَور آیات قرآن شریف میں بکثرت ہیں لیکن چونکہ مضمون کے طویل ہونیکا اندیشہ ہے
اسلئے ہم صرف ایک اَور موقع اس قسم کا نقلکر کے بس کرتے ہیں۔ سورۃ انبیاء میں یہ آیتیں ہیں،
وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون ۝
وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحنه بل عباد مكرمون ۝ لا يسبقونه بالقول
وهم بامره يعملون ۝ يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم ولا يشفعون الا لمن ارتضى
وهم من خشيته مشفقون ۝ ومن يقل منهم اني اله من دونه فذلك نجزيه جهنم
كذلك نجزي الظلمين۔ ترجمہ۔ اور ہمنے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا جسکو یہ وحی
نہ کی ہو کہ سوائے میرے اَور کوئی معبود نہیں سو میری ہی پرستش کرو اور کہا (عیسائیوں نے)
رحمٰن نے (یسوع کو) بیٹا بنایا۔ پاک ہے وہ اس سے۔ سب نبی اس کے معزز بندے
ہیں کلام کرنے میں اس سے آگے نہیں چلتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے
جو کچھ ان کے آگے اور انکے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اُس کے لئے کہ جس سے وہ
خوش ہو اور وہ اسکے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں (جیسا کہ عیسائی
سمجھتے ہیں عیسیٰ نے کہا) تو ہم اسکو سزائے جہنم دینگے ظالموں کو ہم اسیطرح سزا دیتے ہیں۔ ان آیتوں کے
لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ انمیں انبیاء کا ہی ذکر ہے اور انبیاء کی نسبت ہی یہاں یہ کہا
گیا ہے کہ وہ کوئی کلام نہیں کرتے جبتک خدا تعالےٰ کلام نہ کرے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک
خدا تعالےٰ حکم نہ دے۔ گویا انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا نے پھر اس جگہ اپنے اقوال و افعال
کہا ہے۔ اور اس لئے یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ وہ بھی کبھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی
کرتے ہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ان کے آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں
کو خدا کے احکام پر چلا دیں تو گویا وہ خدا کے احکام کو عملدرآمد میں لانیوالے ہوتے ہیں اسلئے
اگر وہ خود ہی احکام کی خلاف ورزی کریں تو پھر وہ عملدرآمد کرانیوالے نہ رہے یا دوسرے

لفظوں میں یُوں کہو کہ نبی نہ رہے وہ خُدا تعالیٰ کے مظہر اور اسکے اقوال و افعال کے مظہر ہوتے ہیں
پس خُدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اُنکی طرف منسوب ہی نہیں ہوسکتی۔ ہم یہاں یہ بھی بیان
کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ آیات کے آخری الفاظ میں کہ جو کوئی کہے کہ مَیں خُدا ہوں صرف فرض کے طور پر
ایک امر بیان کیا گیا ہے اور پھر ساتھ ہی اسکے ان الفاظ سے کہ ہم اُسے دوزخ میں ڈالیں گے اسکی نفی
بھی کیگئی ہے (کیونکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اسکے صالح بندے دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنیں گے)
لیکن تاہم ہم اِس سے اِنکار نہیں کرسکتے کہ ان الفاظ میں عیسائی عقیدہ کیطرف ایک لطیف اشارہ
ہو جس نے پہلے یسُوع کو خُدا بنایا اور پھر اُسے دوزخ میں بھیجا۔

غرض مُتذکرہ بالا آیات سے اور اسی قسم کی دُوسری آیات سے جو بکثرت قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔
یہ قطعی ثبُوت ملتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال کو خُدا تعالیٰ اپنے اقوال و افعال ٹھہراتا ہے اور
وہ اسی طرح پھرتے ہیں جسطرح وہ اُن کو پھراتا ہے وہ اسکے ہاتھ میں ایسے بے اختیار ہوتے ہیں جیسے کہ
ایک مُردہ اور بکلی اسی کے تصرف میں ہوتے ہیں اُنکے اپنے جذبات اور خواہشات کچھ نہیں ہوتے
اور نہ اُن کے حرکات اور کلام اور ارادے اُنکے اپنے ہوتے ہیں۔ حرکت یا سکوُن۔ رنج یا راحت
خوشی یا غم۔ محبّت یا عداوت۔ عفو یا انتقام۔ سخاوت یا بُخل۔ شجاعت یا بُزدلی۔ رحم یا غضب
ان کی طرف منسوب ہی نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کی اپنی مرضی یا اپنے ارادے کچھ نہیں ہوتے
وہ خُدا تعالےٰ کے تصرّف تام میں ہوتے ہیں اور اُنکے تمام قوٰے اُسی کی خدمت میں لگے
ہُوئے ہوتے ہیں۔

اس طرح پر اگرچہ استغفار کا اصلی اور حقیقی مفہوم خُدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی
ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں انہیں معنوں میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔ تاہم اس کے معنے
عام اِنسانوں کے لئے وسیع کئے گئے ہیں جن کو دونوں دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ یعنی گناہ
سے حفاظت کی دُعا اور گُناہ کی سزا سے حفاظت کی دُعا۔ اِن دونوں دُعاؤں کا
ایک ہی لفظ میں اکٹھا کردینا اِنسانی فطرت کے صحیح علم کو ظاہر کرتا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے
کہ قرآنِ شریف کے نزدیک صرف گزشتہ گناہوں کے لئے پچھتانے یا افسوس کرنے کا ہی
نام توبہ نہیں ہے بلکہ سچی توبہ وُہ ہے جسکے ساتھ سچی اور دلی خواہش گُناہ سے بچنے کی اور
سچا اور مضبُوط ارادہ بدی سے پرہیز کرنیکا ہو استغفار ہی ہے جو اِنسانی فطرت کے

دونوں تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور انسان کو نجات کے لئے جن دو چیزوں کی ضرورت ہے وہ دونوں مہیا کرتا ہے اس طرح پر استغفار ہر ایک طبقہ کے انسانوں کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ دُعا ہے۔

استغفار کے معنے جو قرآن کریم کے رُو سے اُوپر بیان کئے گئے ہیں ان معنوں کے لحاظ سے استغفار ہی ایک سچا ذریعہ خُدا تعالیٰ سے قوت اور طاقت طلب کرنے کا ہے اور استغفار ہی وُہ راستہ ہے جسمیں چلکر انسان معصوم رہ سکتا ہے اور کوئی سمجھ دار آدمی اس سے اِنکار نہیں کرسکتا۔ لیکن جو لوگ بجائے خُدا تعالےٰ پر بھروسہ کرنیکے ایک اِنسان کے خُون پر بھروسہ کر بیٹھے ہیں وہ استغفار کی برکات کو نہیں سمجھ سکتے۔ انکا سہارا اور قوت خدا میں نہیں ہے بلکہ ایک کمزور انسان میں جو ان کے زعم کے مطابق صلیب پر مارا گیا وہ استغفار کو گناہ کا علاج نہیں سمجھتے۔ انبیاء کو گنہگار ٹھہراتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی بے ادبی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں آدمیوں میں سے جو ہر زمانہ میں سوسائٹی کیلئے ضرر رساں ہونیکے سبب سے پھانسی دئے جاتے اور صلیب پر چڑھائے جاتے ہیں ایک اِنسان جسکو وہ تجویز کرتے ہیں ایسا تھا کہ اس کے صلیب پر مرنے سے تمام دُنیا کے گُناہ مُعاف ہو گئے یا کم از کم اُن لوگوں کے جو ایسا سمجھ لیں۔ وُہ اِنسانوں کی طرح پیدا ہُوا۔ اِنسانوں کی کمزوریاں اور نقص اسمیں موجود تھے۔ اسیطرح بیماریاں اور دُکھ اُٹھاتا رہا۔ کبھی ایک دفعہ بھی خُدائی طاقت نہ دکھا سکا اور آخر کار مجرم کی موت مر گیا۔ لیکن پھر بھی ہمیں اسے خدا سمجھ لینا چاہئیے کیونکہ پادری صاحبان کا یہ خیال ہے۔ اگر ان لوگوں کی سمجھ میں استغفار کا پاکیزہ اور اعلےٰ درجہ کا مفہوم نہ آسکے تو وُہ معذور ہیں کیونکہ ایک جھوٹے اصول نے انکی سمجھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔

اب ہم قرآن شریف سے چند آیات پیش کرتے ہیں جہاں استغفار کو نیک آدمیوں کا اعلےٰ درجہ کا وصف بیان کیا گیا ہے انّ المتّقین فی جنّٰت وعیون اٰخذین ما اٰتٰھم ربّھم اِنّھم کانوا قبل ذٰلك محسنین ٭ کانوا قلیلاً مّن اللّیل ما یھجعون ۰ وبالاسحار ھم یستغفرون ۰ (الذٰریٰت) ترجمہ۔ مُتّقی باغوں اور چشموں کے درمیان رہینگے اور وہ نعمتیں حاصل کرینگے جو اُنکا رب اُنکو دیگا کیونکہ وہ اس سے پہلے محسن تھے۔ بہت تھوڑا حصہ رات کا سویا کرتے تھے اور سحر کو استغفار کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں استغفار کو بے گناہی اور نیکی کا موجب ٹھہرایا

اور بڑا اجر ان کو دیا گیا لفظ احسان جو اس آیت میں آیا ہے اسکے معنے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کر دئے ہیں یعنی اسطرح پر خدا کی عبادت کرنا کہ گویا کہ انسان اُسے دیکھتا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ انسان کو
دیکھتا ہے۔ لیکن جو شخص اس منزل تک پہنچ جاتا ہے کہ گویا کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے تو پھر وہ گناہ
بھی نہیں کر سکتا کیونکہ پھر وہ دیکھتا ہے کہ وہ طاقتور ہستی جس کے حضور وُہ کھڑا ہے ایک دم
میں اُسکو تباہ کر سکتی ہے اگر وہ اُسکے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اسلئے وُہ گناہ سے ایسا بچتا ہے
اور ڈرتا ہے جیسا ایک شخص آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آگ جلا دیگی
اب آیت مذکورہ بالا میں یہ بیان ہے کہ برکات و انوار الٰہی محسنوں کو دئے جا وینگے۔ اور پھر کہا
گیا ہے کہ محسن وُہ لوگ ہیں جو رات کا بہت تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور صُبح کے وقت استغفار
کرتے ہیں۔ اگر استغفار کے صرف یہی معنے لئے جاویں کہ گناہوں کی سزاء سے بچنے کی دُعا تو
آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ رات کو خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے
ہو کر گذاریں صُبح ہوتے ہی وہ گناہوں کی معافی میں لگ جائیں گویا کہ وہ اپنی عبادت اور خُدا کے حضور
کھڑا ہونے کو گناہ سمجھتے ہیں اور رات کو یہ گناہ کر کے صبح کو اُنکی معافی طلب کرتے ہیں لیکن اگر استغفار
کے اصل معنے لئے جاویں تو آیت کے معنے بالکل صاف ہیں یعنی کہ جن لوگوں کو یہ طاقت ملتی ہے کہ وہ رات
کو خُدا کے حضور کھڑے ہو کر گذاریں اور شیطان پر اُن کو غلبہ ملتا ہے وہ صبح کو پھر اُنہیں دُعاؤں میں مشغول
ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اُن کو استقامت کی طاقت بخشے اور اور بھی اُن کو قوّت دے کہ وہ اُسکی راہ میں
بغیر ٹھوکر کے چل سکیں۔ ان لوگوں کو خدا تعالےٰ کی حفاظت کی اور بھی زیادہ ضرورت محسُوس ہوتی ہے
کیونکہ ایک لذّت اُن کو خُدا تعالیٰ کی عبادت میں ملتی ہے اور وہ خُدا تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اُن
کے نفس کی کمزوری کے سبب وُہ لذّت جاتی نہ رہے۔ لیکن اگر استغفار کے معنے صرف اسیقدر ہیں
کہ جو گُناہ کوئی انسان کر چکا ہے اُسکی سزاء سے بچنے کے لئے دُعا کیجائے تو چاہئے تھا کہ استغفار
مانگنے سے پہلے کوئی گُناہوں کا ذکر ہوتا نہ کہ عبادت کا۔ تاکہ بعد میں استغفار کا موقع ہوتا۔

ایسا ہی ایک دُوسرے موقع پر قرآن شریف فرماتا ہے۔ الصّٰبرین والصّٰدقین و
القٰنتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار۔ اب یہاں امر اول غور طلب تو یہی ہے کہ استغفار
کو نیکی اور راستبازی کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ صبر اور صدق اور فرمانبرداری اور انفاق
فی سبیل اللہ کی طرح استغفار بھی ایک نیکی ہے اور ہدایت کیگئی ہے کہ جس طرح دوسرے نیکی کے

کاموں کو انسان بجالاتا ہے اسی طرح ہمیشہ استغفار میں بھی لگا رہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ استغفار صرف سزا سے بچنے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ دوسری نیکیوں کیطرح یہ بھی بڑے بڑے برکات الٰہی کا موجب ہوتا ہے۔ پھر تمام نیکیوں کے بعد استغفار کا ذکر کرنے سے یہ بھی صاف منشاء قرآن کریم کا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی جڑھ استغفار ہی ہے اور جو شخص استغفار کرتا ہے اسکو یہ سب باتیں حاصل ہوجاتی ہیں۔ ان دونوں باتوں سے استغفار کے معنے صاف حل ہوجاتے ہیں اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے احکام پر چلنے کی طاقت انسان کو بخشے اور نفس کی کمزوریوں سے اسکی حفاظت کرے۔

استغفار کے متعلق صرف یہی نہیں لکھا کہ وہ انسان کو نیکی کی طرف کھینچتا اور نیکی کی طاقت دیتا ہے بلکہ نیکیوں کے لئے خدا تعالیٰ نے مغفرت کے وعدے بھی دئے ہیں مثلاً سورہ ھود کی اس آیت پر غور کرو اِلَّا الذین صبروا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰٓئک لھم مغفرۃ واجر کبیر۔ صبر کیا چیز ہے اَلصّبر علی الطّاعۃ والصّبر عن المعصیۃ یعنی نیکیوں پر لگے رہنا اور بدیوں سے بچے رہنا۔ پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا جو شخص نیکیوں میں لگے رہتے ہیں اور بدیوں سے بچے رہتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں۔ ان کو خدا کیطرف سے مغفرت اور بڑے بڑے اجر ملیں گے گویا مغفرت اعمال صالح کی جزاء ہوئی۔ اس جگہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کے معنوں کو گناہ کی سزا سے بچائے جانے تک محدود کرنا غلطی ہے کیونکہ یہاں مغفرت کا وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اعمال صالح کرتے رہے ہیں اور گناہ سے بچتے رہے ہیں۔ پس یہاں مغفرت کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مغفرت خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ طاقت اور حفاظت ہے جسکی مدد سے نیک لوگ روحانی طور پر ترقیاں کرتے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج جو انسانی کمال کیلئے ضروری ہیں طے کرتے ہیں۔ الغرض چونکہ مغفرت خدا تعالیٰ کی حفاظت اور طاقت کا نام ہے اسلئے انسان ہمیشہ مغفرت کا ایسا ہی محتاج ہے جیسا کہ خود خدا کا محتاج ہے نہ وہ خدا سے الگ ہو کر رہ سکتا ہے اور نہ کبھی مغفرت کو ترک کرکے رہ سکتا ہے بلکہ جیسا جیسا وہ روحانی ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مغفرت کی ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اور چونکہ اسکی روحانی ترقی غیر محدود ہے اسلئے کوئی وقت اسپر ایسا نہیں آتا جب اسکو استغفار یا مغفرت کی حاجت نہ ہو اسلئے خدا کی مغفرت بہشت میں بھی بہشتیوں کو ملتی رہیگی۔

بہشت میں مغفرت کی ضرورت پر قرآن شریف نے دوسری جگہ صاف لفظوں میں فرمایا ہے جہاں سورۂ محمدؐ میں بہشتیوں کا ذکر کیا ہے ولھم فیھا من کل الثمرات ومغفرۃ من ربھم بہشتیوں کیلئے بہشت میں ہر قسم کے میوے اور اپنے رب کی مغفرت ہوگی۔ یہاں صاف لفظوں میں فرمایا کہ بہشت میں بہشتیوں کو مغفرت ملتی رہے گی۔ اور پھر ایک اور آیت میں سورہ تحریم میں فرمایا ہے یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا۔ یعنی جو لوگ بہشت میں داخل ہو جائیں گے وُہ دُعا کرینگے کہ اے رب ہمارے ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت کر۔ یہ مغفرت کمال کی خواہش جو ہمیشہ تک رہیگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بہشت میں ترقیات کا سلسلہ غیر متناہی ہوگا ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں داخل ہونیکے بعد بھی جو ممکن ہی نہیں جبتک کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا ہے اسکا گُناہ معاف نہ ہو جائے پھر بھی نیک لوگوں کو مغفرت کی خواہش ہوگی اور اُن کو مغفرت ملتی رہیگی۔ یا بالفاظ دیگر بہشتی بہشت میں بھی استغفار کرتے رہیں گے حالانکہ اُنکے گُناہ معاف ہو چُکے ہونگے۔ اب استغفار کے دُوسرے معنوں کے لحاظ سے جو اسلام کے مخالف کہتے ہیں کہ اسکے سوائے استغفار کے اور کوئی معنے ہی نہیں۔ استغفار کی غرض صرف ان گناہوں کی سزا سے بچائے جانا ہے جو کسی شخص نے کئے ہوں۔ اسلئے جزا و سزا کے پہلے تو کوئی شخص ان معنوں کے رُو سے مغفرت طلب کر سکتا ہے لیکن جو شخص بہشت میں داخل ہو چکا ہے اور سزا سے بچ چکا ہے اور اُسکے گناہ اُسے معاف ہو چُکے ہیں اب اُسکو کونسی سزا کا خوف باقی ہے جو وُہ بھی استغفار کرے اور خدا اسکو کونسی سزا سے بچاتا ہے جو مغفرت دیتا ہے جب وہ بہشت میں داخل ہو گیا تو ہر قسم کی تکلیف اور سزاء سے بچایا گیا اور ہمیشہ کیلئے سب تکلیفیں دُور ہو گئیں اور کسی سزا کا خطرہ نہ رہا کیونکہ خُدا کا وعدہ ہے کہ بہشتی بہشت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ وماھم منھا بمخرجین۔ پھر وہ لوگ جو بہشت میں داخل ہو چُکے کیوں استغفار کرینگے اور کیوں خدا تعالیٰ بہشت کی نعمتوں میں سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دو آیتوں سے ظاہر ہے یہ قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنے گناہ کی سزاء سے بچائے جانے یا گُناہ سے معافی کے نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں مغفرت کے معنے کیا؟ اس دُنیا میں اور اس جسم کے ساتھ تو گناہ کا امکان ہے جس سے حفاظت کے لئے انسان استغفار کرتا ہے مگر بہشت میں

تو نہ امکان ہوگا اور نہ شیطان کا خطرہ۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ اس دُنیا میں بھی ایسے آدمی ہیں جنپر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ عبادی لیس لك علیهم سلطان۔ لیکن باوجود اسکے اُن بندوں کو بھی استغفار کا حکم ہے۔ ان سوالوں کے جواب کیلئے ہم ناظرین کو پھر استغفار کے اصل معنوں کیطرف اور استغفار کی ضرورت کیطرف توجہ دلاتے ہیں۔ استغفار کی ضرورت جیسا اُوپر دکھا چکے ہیں یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور خدا کے صفات کا تقاضا بغیر استغفار کے پُورا ہی نہیں ہوتا۔ ایک تو خالق ہے جو ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور جسکی ذات میں صفت قیومیت ہے جو چاہتی ہے کہ مخلوق کا اُسپر سہارا ہو پس جبتک مخلوق ہے یہ صفت اپنے تقاضا کو پُورا کریگی۔ پھر دوسری طرف مخلوق میں سے انسان ہے جو اپنی ذات میں کمزوری رکھتے ہیں اور کمال کے لئے وہ اپنے خالق کے محتاج ہیں جبتک کہ وہ مخلوق کی حیثیت میں ہیں۔ انہی دو باتوں سے استغفار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ امر بھی ظاہر ہے کہ خواہ انسان کتنی ہی ترقی کرے وہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے کبھی بھی باہر نہیں رہ سکتا۔ اور ہمیشہ کیلئے خدا کا محتاج ہے جو کمال انسان اس دُنیا میں یا دوسری دُنیا میں حاصل کرسکتا ہے وہ کبھی بھی خدا کے کمال تام کے برابر نہیں ہو سکتا۔ خواہ کتنا ہی معراج وہ حاصلکرے پھر بھی مخلوق ہے اور خدا پھر بھی خالق ہے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ کیلئے استغفار بھی کرے۔ بہشت میں نیک لوگ ترقیاں کرینگے اور ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرینگے اور اسلئے جب ایک حالت پر وہ پہنچینگے تو اُس سے بلند تر حالت کی خواہش کرینگے اور پہلی حالت کو بمقابلہ اُسکے ناقص خیال کرینگے۔ اسلئے چُونکہ یہ ترقی کا سلسلہ غیر متناہی ہے مغفرت کی خواہش یا استغفار بھی کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

اِن آیات کے علاوہ جو ہمنے اُوپر بیان کی ہیں بہت ساری اور آیات ہیں جن سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائیوں نے استغفار کے لطیف اور اعلیٰ مفہوم اصلی کو سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے لیکن ہم اسی پر اتفاق کرتے ہیں کیونکہ اس مضمون کو اس قدر لمبا کرنیکا بھی ہمارا منشاء نہ تھا۔ لیکن ایک بات کیطرف یہاں ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے عیسائی یہی کہا کرتے ہیں کہ آیت لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر کے جو سورۂ فتح میں نازل ہوئی ہے سوائے اسکے کوئی معنے نہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اگلے اور پچھلے گناہونکی

معافی دیتا ہے۔ چونکہ مضمون بہت لمبا ہو چکا ہے اِسلئے اِسجگہ ہم اصل معنے اِس آیت کے بیان نہیں کرتے۔ صرف مخالفین اسلام کے معنوں کی غلطی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس آیت کے یہی صحیح معنی ہیں یہ امر مسلّم ہے کہ سورہ نصر فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ سورہ فتح تو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی تھی اور سورہ نصر فتح مکہ سے بعد نازل ہوئی ہے اب سورہ نصر میں خدا تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پھر استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے فسبّح بحمد ربّك واستغفرہ۔ جسکے معنے عیسائی صاحبان کے نزدیک یہ ہوئے کہ گناہوں کی معافی مانگتا رہ۔ لیکن گزشتہ اور آئندہ گناہ تو سب پہلے ہی اللہ تعالیٰ معاف کر چکا تھا۔ اب کونسے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔ اگر صحیح معنے ہر دو آیات کے کئے جائیں تو یہ تضاد واقع نہیں ہوتا۔ یہ صرف غلط معنوں کا نتیجہ ہے اگر پادری صاحبان کو انصاف یا حیا کا کچھ بھی خیال ہوتا تو وہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتے۔

بالآخر ہم پادری صاحبان کی ایک اور بیہودگی کیطرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ فخر کیا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں دوسرے نبیوں کے استغفار کا تو ذکر ہے مگر حضرت عیسےٰ کے استغفار کا کہیں ذکر نہیں اور اس سے بجائے خود جھٹ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ دوسرے نبی گنہگار تھے مگر حضرت عیسیٰ بیگناہ تھے۔ استغفار کے معنے جو ہم اوپر کھولکر بیان کر چکے ہیں انکے رو سے اگر حضرت عیسےٰ نے واقعی جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں استغفار نہیں کیا تو اس سے انکی کمزوری پائی جاتی ہے اور یہ بات انبیاء کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ استغفار نہ کریں لیکن اس بیان میں بھی پادری صاحبان دھوکہ دینا چاہتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم سے حضرت عیسےٰ کا استغفار ثابت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے بار بار صالحین کے لئے استغفار اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے پس اگر حضرت عیسےٰ بھی صالحین میں سے تھے تو ضرور ہے کہ اُنہوں نے بھی استغفار کیا ہو اور خدا نے اُن کو مغفرت دی ہو۔ اِس قسم کی آیات ہم اوپر بہت لکھ چکے ہیں مثلاً ایک یہی آیت ہے اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ۔ پس اگر حضرت عیسےٰ نے صبر کیا اور اعمال صالح کئے تو ضرور ہے کہ اُن کو مغفرت بھی ملی ہو۔ ایک اور موقع پر ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے ویستغفرون لمن فی الارض۔ اور فرشتے ان تمام کے لئے جو روے زمین پر ہیں استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسےٰ بھی زمین پر تھے تو ضرور ہے کہ فرشتوں نے انکے لئے استغفار کیا ہو۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ پادری صاحبان اس قسم کی بیہودہ باتیں اپنی تحریروں میں نہ لکھینگے۔ ہاں انہیں طاقت ہے تو یہ ثابت کر دکھائیں کہ انجیل کے رو سے

یسوع مسیح کیونکر معصوم کہلا سکتا ہے مگر اُمید نہیں کہ اس بات کی طرف وہ کبھی آئیں۔

نوٹ اور ریویو

رپورٹ مردم شماری صوبہ پنجاب:- پچھلے نمبر میں فرقہ احمدیہ کی ترقی بیان کرتے وقت ہمنے احاطہ بمبئی کی مردم شماری فرقہ احمدیہ کی دکھائی تھی۔ اس سے پیچھے ہمیں پنجاب کی رپورٹ بھی پہنچ گئی ہے جسمیں دکھایا گیا ہے کہ پنجاب میں اس فرقہ کے لوگ ۳۱۱۱* ایسے مرد ہیں جنکی عمر پندرہ سال سے اوپر ہے۔ ہم کسی طرح سے اسکو ٹھیک تعداد یا ٹھیک کے قریب قریب بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ جہاں احاطہ بمبئی میں ۱۱۰۸۷ اشخاص ہیں اور ممالک مغربی و شمالی میں بھی ۹۳۱ تعداد مردم شماری کی رپورٹ میں دکھائی گئی ہے۔ یہ امر کسیطرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتا کہ پنجاب میں جو اس سلسلہ کا اصل گھر ہے ایکہزار سے کچھ اوپر مرد ہیں۔ اس امر کی کہ کیوں رپورٹ میں کم تعداد آئی ہے بعض بڑی بڑی موٹی وجوہات ہیں۔ اول تو خود اس فرقہ کا نام ہی یعنی فرقہ احمدیہ اُسوقت رکھا گیا جبکہ مردم شماری کی کارروائی شروع ہو چکی تھی ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کثرت آبادی کی ان پڑھ ہے ایک واقع کو اشتہار کے ذریعہ شائع کر کے تمام لوگوں تک تھوڑے ہی عرصہ میں خبر پہنچا دینا قریباً ناممکن ہے۔ دیہات یا دُور دُور کی جگہوں میں جنکا علم بھی نہ تھا کس طرح ممکن تھا کہ ہر ایک آدمی کو جو اس فرقہ میں داخل تھا خبر پہنچائی جاتی کہ فرقہ کا یہ نام رکھا گیا ہے مردم شماری ہو جانے کے بعد ایسے خطوط کا آنا کہ ہمیں نام کی خبر بعد از وقت ملی ہے اس امر کی بڑی شہادت ہے کہ فرقہ کے تمام ممبروں کو وقت پر یہ اطلاع نہ پہنچ سکی تھی۔ دوسرے جو لوگ اس کام پر معین ہوتے ہیں اُنکو چنداں پرواہ نہیں ہوتی کہ ہر ایک کا فرقہ دریافت کریں اور پھر اسکا صحیح صحیح اندراج کریں۔ ایک آبادی ان پڑھ اور دوسرے شمار لینے والے خود اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ معمولی شُد بُود جانتے ہیں اور پھر ہر ایک شخص سے فرقہ کا نام پوچھ کر داخلکرنا اُنکے نزدیک غیر ضروری ہوتا ہے اور خود لوگوں کو اس قدر توجہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فرقہ کا نام زور دیکر لکھوائیں۔ مردم شماری کی رپورٹ نے ایک طرح سے خود اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ اسکی تعداد کا اصل تعداد فرقہ سے بعض موقع پر بہت بڑا اختلاف ہوتا ہے۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نئے فرقہ کے برخلاف ہر مذہب و قوم کے

* یاد رہے کہ یہ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری ہے۔ منہ

لوگوں کو سخت تعصب اور عناد ہے۔ اور جہاں شمار کنندوں کی ایسی بڑی وسیع تعداد درکار ہو جیسا کہ ہندوستان کی آبادی کیلئے ہونی چاہیئے وہاں ہر ایک قسم کا آدمی جو ملسکے شمار کنندہ بنانا پڑتا ہے کیونکہ پڑھے ہوئے لوگ دیہات میں بہت ہی کم ملتے ہیں۔

اس تفصیل کی کچھ ضرورت نہیں کہ فرقۂ احمدیہ پنجاب میں کس زور و شور سے ترقی کر رہا ہے ایک ہی دن جہلم میں جہانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۷ اجنوری کو قیام پذیر تھے۔ چھ سو کے قریب آدمیوں نے بیعت کی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف وہ امن پسند اور صلح جو تعلقات جو یہ سلسلہ نوع انسان کے ساتھ سکھاتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ اعلےٰ درجہ کی رُوحانی تعلیم جو یہ اللہ تعالےٰ کے متعلق پیش کرتا ہے یہ دونوں باتیں سمجھ دار دلوں کے لئے ایک کشش کا باعث ہو رہی ہیں۔

پنجاب کی رپورٹ مردم شماری میں ایک قابلِ افسوس غلطی بھی درج ہو گئی ہے جس کے دُور کرنیکے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مفصلہ ذیل چٹھی میں پنجاب گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے:۔

"۱- پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ کے حصہ اول باب ۳ فقرہ ۹ ۳ صفحہ ۱۴۳ میں میرے متعلق لکھا گیا ہے کہ میرا پہلا کام بحیثیت ایک مولوی کے چوہڑوں کو تبلیغ کا تھا۔

۲- یہ بیان بالکل خلاف واقعہ اور بے بُنیاد ہے اور میری عزت اور شہرت کو سخت نقصان پہنچانیوالا ہے۔

۳- جس شخص نے چوہڑوں کی تبلیغ کا دعویٰ کیا تھا وہ ایک بالکل الگ آدمی ہے جسکا نام امام الدین ہے جسکے اصول اسلام سے بالکل مخالف ہیں اور میں اور دیگر تمام سچے مسلمان ان اصولوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ شخص تیس سال سے زیادہ عرصہ سے میرے سخت مخالفوں میں سے ہے اور یہ بالکل بعید از انصاف ہے کہ ایک ایسے شخص کی تعلیم کو میری طرف منسوب کیا جائے جس سے میں سخت بیزار ہوں۔

۴- چوہڑے ایک ایسی قوم ہے جو اس ملک میں جرائم پیشہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور میرا تعلق ایسی قوم سے ظاہر کرنا جو ایک بالکل بے بُنیاد امر ہے۔ میری طرف ایک ذلیل حالت کو منسوب کرنا ہے۔ چُوہڑے ایک ذلیل قوم سمجھی جاتی ہے اور اس قسم کا بیان جو مردم شماری کی رپورٹ میں ہے میری شہرت کو سخت نقصان پہنچانیوالا اور میرے اور گورنمنٹ کے ہزارہا وفادار اور معزز رعایا کے لوگوں کے دلوں کو دُکھ دینے والا ہے جو مجھے اپنا روحانی پیشواء اور مذہبی سرگروہ تسلیم کرتے ہیں۔

۵- میرے اصول اور تعلیم جو میں ابتدا سے ہی لوگوں کو سکھاتا ہوں وہ ایسے اخلاق فاضلہ سکھانے والے اور اعلیٰ مراتب روحانیت پر پہنچانیوالے ہیں کہ جو بڑے تو ایکطرف رہے وہ مسلمان بھی نہ اُن کو قبول کر سکتے ہیں اور نہ اُنہوں نے قبول کیا ہے جو ذلیل حالت میں ہیں اور جنکی اخلاقی حالتیں گری ہوئی ہیں بلکہ ایسے فہیم اور شریف انسان انکو قبول کرتے ہیں جو نہایت پاکیزہ زندگیاں بسر کرتے ہیں- اور میرے پیرووں میں کثرت سے رئیس جاگیردار معزز گورنمنٹ کے عہدیدار- سوداگر و فاضل علماء اور اعلےٰ درجہ کے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں-

۶- اسی قسم کا ایک بیان میرے متعلق پہلے گورداسپور گزیٹر میں کیا گیا تھا- لیکن جب گورنمنٹ کو اس غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو گورنمنٹ نے اپنی چٹھی نمبر ۳۰۹ مورخہ ۱۹ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء (یعنی اُسوقت جبکہ مردم شماری ختم ہوچکی تھی) ہوم ڈپارٹمنٹ میں یہ جواب دیا تھا کہ یہ فقرہ اخبار ثانی کیوقت نکالدیا جاویگا اور کہ اسکے متعلق گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کو ہدایت کردیگئی ہے-

۷- یہ فقرہ ایسی ایک ایسی کتاب میں درج کیا گیا ہے جو کہ دُنیا میں معتبر سمجھی جاتی ہے اور اگر اسکی تردید شائع نہیں کی جاوے تو میری عزت اور شہرت کو نقصان پہنچائیگا-

۸- یہی فقرہ مردم شماری کی رپورٹ کی بناء پر سول ملٹری گزٹ لاہور میں چھاپ دیا گیا ہے اور تردید نہ ہونے کی صورت میں دوسرے تمام اخبارات میں بھی شائع ہو کر مجھے نقصان پہنچانیوالا ہوگا اور اسطرح تمام دُنیا کے سامنے غلطی سے میرا تعلق ایک ذلیل قوم کیساتھ ظاہر کیا جاویگا-

۹- میں رؤسا کے ایک ایسے خاندان سے ہوں جسکی گورنمنٹ ہمیشہ عزت کرتی رہی ہے بسبب اُن قابل قدر خدمات کے جو اس خاندان نے وفاداری سے کی ہیں اور میری نسبت یہ غلط واقع بیان تمام خاندان کی شہرت اور عزت کو داغ لگانیوالا ہے-

۱۰- گورنمنٹ اس بیان کا جھوٹا اور بے بنیاد ہونا افسران ضلع کی معرفت تحقیق کر سکتی ہے-"

آخر میں یہ الفاظ فرقہ احمدیہ کے متعلق رپورٹ مردم شماری میں لکھے ہیں جو ذیل میں درج ہیں

"یہ فرقہ بڑے زور سے اس اعتقاد کو رد کرتا ہے کہ اسلام کا مہدی خونی مہدی ہوگا اور صحیح بخاری کی بناء پر جو حدیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ معتبر ہے یہ روایت پیش کرتا ہے کہ وہ جنگ نہیں کریگا بلکہ مذہب کی خاطر جو لڑائیاں ہوتی ہیں اُنکو بند کر دیگا- اپنی ضخیم تصنیفات میں مرزا صاحب نے

جہاد کی تعلیم کے برخلاف بہت کوشش کی ہے اور اس بارے میں یہ فرقہ اس فرقہ اہلحدیث کے جو افراط کیطرف چلا گیا ہے بالکل مخالف ہے۔"

الہام و رویائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

۹-جنوری ۱۹۰۳ء- ان وعد اللّٰہ اتی ورکل ورکا فطوبیٰ لمن وجد ورای قتل خیبۃ وزید ھیبۃ (ترجمہ- خدا کا وعدہ آگیا اور ایک پاؤں مارا اور بگڑے ہوئے کام کی اصلاح کی پس خوشخبری ہو اسکو جسنے اس وعدہ کو پالیا اور دیکھ لیا- ایک شخص نامراد مارا گیا اور اسکی ہلاکت ہیبت ناک ہوئی)-

۱۱-جنوری ایک کاغذ مجھے دکھایا گیا جسکا عنوان تھا بقیۃ الطاعون اور اُسکی پشت پر ایک اعلان ہماری طرف سے ہی تھا-

۱۵-جنوری- بمقام لاہور- اریك برکات من کل طرف (میں تجھے ہر طرف سے برکتیں دکھاؤنگا)

۱۸-جنوری- اٰثرك اللّٰہ علی کل شئ (خدا نے تجھے ہر چیز پر اختیار کرلیا)

۱۹-جنوری- افانین اٰیات (گوناگون نشان)

رویا میں دیکھا کہ میں مصر کے دریائے نیل پر کھڑا ہوں اور میرے ساتھ بہت سے بنی اسرائیل ہیں اور میں اپنے آپکو موسیٰ سمجھتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاگے چلے آتے ہیں- نظر اُٹھا کر پیچھے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرعون ایک لشکر کثیر کیساتھ ہمارے تعاقب میں ہے اور اُسکے ساتھ بہت سامان مثل گھوڑے اور گاڑیوں اور رتھوں کے ہے وہ ہمارے بہت قریب آگیا ہے- میرے ساتھی بنی اسرائیل بہت گھبرائے ہوئے ہیں اور بعض اُنمیں سے بیدل ہو گئے ہیں اور بلند آواز سے چلاتے ہیں کہ اے موسیٰ ہم پکڑے گئے تو مینے بلند آواز سے کہا کلا ان معی ربی سیھدین اتنے میں میں بیدار ہو گیا اور زبان پر یہی لفظ جاری تھے-

۲۴ جنوری- کاغذ پر لکھا ہوا دکھایا گیا- تفصیل ما صنع اللّٰہ فی ھذا الباس بعد ما اشعتہ فی الناس-

۲۹-جنوری- سا کرمك اکراما عجبا-

۲-فروری- سنجیك- سنعلیك- انی معك ومع اھلك- یسمع الدعاء- دعاءك مستجاب ساکرمك اکراما عجبا- انی مع الرسول اقوم واصلی واصوم واعطیك ما یدوم- انی مع الافواج اٰتیك بغتۃً-